الرسالہ

جنوری ۱۹۸۰ شمارہ ۳۸

فون نمبر 262331

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ تذکیر القرآن کے بارے میں

قرآن کے بہت سے پہلو ہیں اور مختلف انداز سے اس کی تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ مگر قرآن کا اصل پہلو یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کے لئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ وہ اس لئے اتارا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے رب کی یاد دلائے، ان کے اندر آخرت کی تڑپ پیدا کرے، وہ ان کی زندگی کے اوپر خدا کی نگراں بن جائے۔ "تذکیر القرآن" کا مقصد قرآن کے اسی پہلو کو کھولنا ہے۔ قرآن ایک نصیحت ہے اور تذکیر القرآن اس نصیحت کی تفسیر۔ نحوی مسائل، قانونی تفصیلات، تاریخی معلومات اور اس طرح کی دوسری بحثیں بجائے خود مفید ہیں۔ مگر ان کو تذکیر القرآن میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو اس قسم کی تفصیلات کو ایک علیحدہ کتاب (قاموس القرآن) کی صورت میں مرتب کیا جائے گا ——————

اعلان

معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ الرسالہ کی طرف سے رقم وصول کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم نے کسی کو بھی الرسالہ کی طرف سے رقم وصول کرنے کا مجاز نہیں بنایا ہے۔ اگر کوئی الرسالہ کے نام کی رسید پیش کر رہا ہے تو وہ رسید فرضی ہے۔ براہ کرم الرسالہ کی رقم براہ راست دفتر الرسالہ کے نام روانہ فرمائیں۔

کائنات گواہی دیتی ہے

سورہ انعام (رکوع ۴) میں منکرین کے اس مطالبہ کا ذکر ہے کہ وہ رسول سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ جو پیغام تم لائے ہو وہ خدا کی طرف سے ہے تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ فرمایا کہ ایمان کا مدار معجزہ نما واقعات پر نہیں ہے بلکہ اس پر ہے کہ آدمی کی آنکھ کھلی ہوئی ہو اور وہ نشانیوں سے سبق لینا جانتا ہو۔ جس میں یہ صلاحیت زندہ ہو، اس کو نظر آئے گا کہ یہاں وہ "معجزہ" پہلے سے نہایت وسیع پیمانہ پر موجود ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے۔ آخر اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ساری کائنات اپنے تمام اجزاء سمیت اس پیغام کی سچائی کی تصدیق کر رہی ہے جس کی طرف خدا کا رسول بلا رہا ہے۔ اور اگر آدمی نے اپنے آپ کو اندھا بنا رکھا ہو، وہ واقعات سے سبق لینے کی کوشش نہ کرتا ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں ان دیگر مخلوقات (چڑیوں اور جانوروں) کی مثال دی گئی ہے جو اس دنیا میں انسان کے سوا پائی جاتی ہیں۔ دوسری جگہ زمین و آسمان کو بھی اس مثال میں شامل کیا گیا ہے (بنی اسرائیل ۴۴) فرمایا کہ اگر تم غور کرو تو تمہارے لئے کافی سامان عبرت و نصیحت کا ان کے اندر موجود ہے۔ کیوں کہ یہ سب بھی تمہاری طرح مخلوقات ہیں۔ ان کو بھی اپنی زندگی میں ایک ڈھنگ اختیار کرنا ہے جس طرح تم کو اختیار کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ مگر تمہارے مقابلہ میں، عالم موجودات کا بے حد بڑا حصہ ہونے کے باوجود، ان کا معاملہ مکمل طور پر تم سے مختلف ہے۔ وہ ایک ہی مقررہ نقشہ پر کروروں برس سے چل رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی اپنے مقرر نقشہ سے ادنیٰ انحراف نہیں کرتا۔ یہ صرف انسان ہے جو ایک مقرر نقشہ کو قبول نہیں کرتا۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ وہ اپنی من مانی راہوں پر دوڑتا رہے۔

رسول کا مطالبہ تم سے کیا ہے یہی تو ہے کہ اس دنیا کا ایک خالق و مالک ہے۔ تمہارے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ تم خودسری اور خودرائی کو چھوڑ دو اور اپنے خالق و مالک کے تابع ہو جاؤ۔ غور کرو تو اس دعوت کے حق ہونے پر تمام زمین و آسمان اور تمام حیوانات گواہی دے رہے ہیں (نور ۴۱) کیوں کہ جس دنیا میں تم ہو جب اس کا وسیع تر حصہ خودسری کے بجائے پابندی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے تو تم اس کا بے حد مختصر حصہ ہو کر اس کے خلاف رویہ اپنانے میں حق بجانب کیسے ہو سکتے ہو۔ عظیم الشان کائنات کا ہر جزء، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہی کر رہا ہے جو اسے کرنا چاہئے، سب اپنے ایک ہی متعین راستہ پر اتنی صحت کے ساتھ چلے جا رہے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی عزیز و علیم نے ان کو ذرہ ذرہ اس کا پابند کر رکھا ہے (یٰسں ۳۸)۔ اتنی بڑی کائنات میں انسان کا الگ راستہ اختیار کرنا بتا رہا ہے کہ انحراف انسان کی طرف ہے نہ کہ بقیہ کائنات کی طرف (آل عمران ۸۳)

ساری کائنات اپنے لاتعداد اجزاء کے ساتھ انتہائی متوافق طور پر حرکت کرتی ہے، ان میں کبھی باہم ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ یہ صرف انسان ہے جو آپس میں ٹکراؤ کرتا ہے۔ تمام کائنات اپنی ناقابل قیاس سرگرمیوں کے ساتھ

ہمیشہ نفع بخش انجام کی طرف جاتی ہے۔ مگر انسان ایسی کارروائیاں کرتا ہے جو تباہی اور بربادی پیدا کرنے والی ہوں۔ دو قسم کے پانی اپنی اپنی حد مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کی حد کو نہیں توڑتا، حتیٰ کہ سانڈوں کا گروہ بھی اپنے اپنے حدود کو متعین کر لیتا ہے۔ ہر سانڈ اپنی حد کے اندر کھاتا پیتا ہے، دوسرے سانڈ کی حد میں نہیں گھستا۔ مگر انسان کسی حد بندی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ شہد کی مکھیاں حد درجہ نظم اور تقسیم کار کے ساتھ اپنی تعمیری سرگرمیاں انجام دیتی ہیں۔ مگر انسان نظم وضبط کو توڑتا ہے۔ چیونٹیاں اور چڑیاں رزق کی فراہمی میں اپنی محنت پر بھروسہ کرتی ہیں۔ وہ کسی سے چھین جھپٹ نہیں کرتیں۔ مگر انسان دوسرے انسان کا استحصال کرتا ہے۔ کوئی شیر یا بھیڑیا اپنی نوع کے جانور کو نہیں پھاڑتا۔ مگر انسان انسان کا خون بہاتا ہے۔ کوئی جانور حتیٰ کہ سانپ بچھو بھی بلاوجہ کسی کے اوپر حملہ نہیں کرتے۔ وہ حملہ کرتے ہیں تو صرف اپنے بچاؤ کے لئے۔ مگر انسان دوسرے انسانوں کے اوپر یک طرفہ جارحانہ کارروائیاں کرتا ہے۔ تمام جانور بقدر ضرورت کھاتے ہیں۔ بقدر ضرورت جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں اور بقدر ضرورت گھر بناتے ہیں۔ مگر انسان ہر چیز میں اسراف اور بے راہ روی اور غیر ضروری تکلفات کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ تمام جانور صرف اپنے دائرہ کار میں اپنے کو مصروف رکھتے ہیں۔ مگر انسان اپنے دائرہ عمل کو چھوڑ کر دوسرے کے دائرہ میں مداخلت کرتا ہے۔ ایک چرواہہ کی پچاس بکریاں جنگل میں چرتے ہوئے ہزاروں بھیڑ بکریوں سے مل جائیں اور اس کے بعد ان کا چرواہہ ایک مقام پر کھڑے ہو کر آواز دے تو اس کی تمام بکریاں نکل کر اس کے پاس آجاتی ہیں۔ مگر انسان کا یہ حال ہے کہ اس کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے تو وہ سننے اور سمجھنے کے بعد بھی اس کی طرف نہیں دوڑتا۔

انسان ساری کائنات کا اس سے بھی کہیں زیادہ چھوٹا حصہ ہے جتنا پوری زمین کے مقابلہ میں سرسوں کا ایک دانہ۔ پھر انسان کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ کیسے درست ہو سکتا ہے جو وسیع تر کائنات کا راستہ ہے۔ اگر اتنی عظیم الشان دلیل کے باوجود آدمی اپنے لئے الگ راستہ کا انتخاب کرتا ہے تو موجودہ کائنات میں وہ اپنے کو بے استحقاق ثابت کر رہا ہے۔ اس کے بعد اس کا انجام صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو کائنات میں بے جگہ کر دیا جائے۔ کائنات کی تمام چیزیں اس کے ساتھ مساعدت کرنے سے انکار کر دیں۔ تمام کائناتی نعمتوں کو اس سے چھین کر اس کو ابدی محرومی میں ڈال دیا جائے۔ آدمی جس کائنات کا ہم سفر بننے کے لئے تیار نہیں، اس کو کیا حق ہے کہ اس کائنات کی چیزوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس کے بعد بالکل فطری طور پر یہ انجام ہونا چاہئے کہ کائنات کو اس کی تمام نعمتوں کے ساتھ صرف ان انسانوں کو دے دیا جائے جو اس کے ہم سفر بنے، جنھوں نے اپنے خالق و مالک کی تابعداری اسی طرح کی جس طرح ساری کائنات کر رہی تھی۔ اس کے سوا وہ انسان جنھوں نے بغاوت اور خود رائی کا طریقہ اختیار کیا، ان کو نہ اس دنیا کی روشنی میں حصہ دار بننے کا حق ہے اور نہ اس کی ہوا اور پانی میں۔ وہ اس دنیا میں نہ اپنے لئے مکان بنانے کا حق رکھتے اور نہ کھانے اور آرام کرنے کا۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ کائنات اپنے جملہ امکانات کے ساتھ صرف پہلے گروہ کے حصہ میں آئے اور دوسرے گروہ کو یہاں کی تمام بہترین چیزوں سے محروم کر کے چھوڑ دیا جائے۔

جو خدا کو پالے اس نے سب کچھ پالیا

ایک شخص "سیب" کھائے۔ مگر سیب کے کھانے سے اس کو نہ کوئی مزہ ملے اور نہ وہ اس کے جسم میں داخل ہو کر اس کو طاقت دے تو کہا جائے گا کہ اس نے سیب نہیں کھایا، اس نے سیب کی شکل کی کوئی چیز چبالی ہے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ خدا کا بھی ہے۔ خدا کو پانا وہی پانا ہے جو آدمی کے لئے مزہ بن جائے۔ جب "خدا" کو پاکر بھی آدمی مزہ سے خالی رہے تو کہنا چاہئے کہ اس نے خدا کو نہیں پایا۔ اس نے کوئی اور چیز پائی ہے اور غلطی سے اس کو خدا سمجھ رہا ہے۔ وہ مٹی کا سیب چبا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں حقیقی سیب کھا رہا ہوں۔

دنیا اپنی ابتدائی شکل میں صرف ایک قسم کا مادہ ہے۔ ساری دنیا ایٹموں کا مجموعہ ہے۔ بالفاظ دیگر ساری دنیا بے روح مادہ ہے۔ اس بے روح مادہ کو خدا بے شمار صورتوں میں جلوہ گر کر رہا ہے۔ اس بے روح مادہ سے خدا کہیں روشنی پیدا کر رہا ہے اور کہیں حرارت۔ کہیں وہ اس بے روح مادہ کو ہریالی میں تبدیل کر رہا ہے اور کہیں پانی کی روانی میں۔ کہیں وہ اس بے روح مادہ کو رنگ کی صورت میں ظاہر کر رہا ہے اور کہیں مزہ اور خوش بو کی صورت میں۔ کہیں اس بے روح مادہ سے حرکت کے کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں اور کہیں کشش کے کرشمے۔ ایسے عجیب و غریب قدرت والے خدا کو پانا ایک خشک عقیدہ کو پانا نہیں ہو سکتا۔ ایسے خدا کو پانا تو یہ ہے کہ آدمی کی روح ایک اتھاہ روشنی سے جگمگا اٹھے۔ وہ اس کے قلب کے لئے لطف و لذت بن جائے۔ آدمی ایک عمدہ پھل کھاتا ہے تو وہ باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ایک شخص ایک لطیف نغمہ سنتا ہے تو وہ ہمہ تن وجد میں آجاتا ہے۔ کسی کے یہاں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ پھر خدا جو ساری خوبیوں کا سرچشمہ ہے، اس کا پانا کیا کسی کو بے قرار نہیں کرے گا، وہ محض ایک بے کیف واقعہ بن کر رہ جائے گا۔

خدا کو پانا یہ ہے کہ وہ ایک خوشبو ہو جس سے آدمی کا شامہ معطر ہو جائے۔ وہ ایک مزہ ہو جس سے اس کا ذائقہ لطف اندوز ہو۔ وہ ایک لطافت ہو جو اس کے لامسہ کو کیف سے بھر دے۔ وہ ایک حسن ہو جو اس کی بصارت کو ایک حیرت ناک نظارہ میں محو کر دے۔ وہ ایک ترنم ہو جو اس کے سامعہ کو ایسی لذت دے جس سے وہ کبھی سیر نہ ہو۔ جس خدا نے روشنی پیدا کی، کیسے ممکن ہے کہ اس کے اندر روشنی نہ ہو۔ جس خدا نے مزہ پیدا کیا کیسے ممکن ہے کہ اس میں مزہ نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تمام روشنیوں سے زیادہ روشن ہے۔ وہ تمام مزوں سے زیادہ مزہ والا ہے۔ کسی کو خدا کی قربت ملنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص رنگت اور خوشبو کے ابدی جہنستان میں جا بسے، جیسے وہ ایک پیکر نور کے پڑوس میں پہنچ جائے۔

خدا ساری حکمتوں کا خزانہ ہے، اس لئے خدا کو پانا آدمی کو انتہائی باشعور بنا دیتا ہے۔ خدا سارے زمین و آسمان کا نور ہے، اس لئے خدا کو پانا آدمی کی پوری شخصیت کو ربانی نور سے جگمگا دیتا ہے۔ خدا تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے، اس لئے خدا کو پانا آدمی کو اتنا طاقت ور بنا دیتا ہے کہ کوئی سیلاب اس کو غرق نہ کر سکے اور کوئی طوفان اس کے درخت کو اکھاڑنے والا ثابت نہ ہو ——— لوگ خدا سے بہت دور ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کے قریب کھڑے ہوئے ہیں۔ لوگ خدا کے فیضان سے ناآشنا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھوں نے خدا کے فیضان سے اپنا کھلیان بھر رکھا ہے۔

ہم کہاں ہیں

۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ کو ایک بڑی اسلامی شخصیت کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس شخصیت سے وابستہ اخبارات و رسائل میں مرحوم کے بارے میں کثرت سے مضامین شائع ہوئے۔ ان مضامین نے بتایا کہ مرحوم کے معتقدین مرحوم کے بارے میں کیسی غیر معمولی شیفتگی اور وارفتگی اپنے دلوں میں لئے ہوئے تھے۔ مرحوم کی موت نے ان کے دل کے پیمانہ کو چھلکا دیا اور انھوں نے مرحوم کے تذکرے انتہائی والہانہ انداز میں بیان کئے۔ ان مضامین کو دیکھ کر میں نے مرحوم کے ایک معتقد سے پوچھا کہ آپ کے یہ اخبارات و رسائل چوتھائی صدی سے بھی زیادہ مدت سے نکل رہے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان پرچوں میں کبھی خدا کا تذکرہ بھی اس جوش اور وارفتگی کے ساتھ شائع ہوا ہو۔ مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کے کارناموں سے سرشار ہو اور خدا کے نام سے اس کے قلب و روح میں حرکت پیدا ہو جائے۔ پھر کیا آپ کے اخبارات و رسائل کے صفحات میں کبھی خدا کے لئے ان غیر معمولی کیفیات کا مظاہرہ ہوا ہے جو آپ نے اپنے رہنما کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے جواب میں وہ خاموش ہو گئے۔

یہ صرف کسی ایک اسلامی تحریک کا معاملہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے تمام اداروں اور تحریکوں کا حال یہی ہے۔ ان کی مجلسیں اپنے "اکابر" کے تذکرے سے معمور ہیں۔ ہر ایک نے اپنے کچھ بڑے بنا لئے ہیں اور جب ان بڑوں کا نام آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زبان و قلم پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی ہو۔ اس کے برعکس کسی بھی حلقہ میں یہ نظر نہیں آتا کہ وہاں خدا کے چرچے میں لوگوں کو لطف ملتا ہو، خدا کا نام آنے پر لوگوں کے اندر والہانہ کیفیت پیدا ہوتی ہو۔ خدا کی حیثیت بس ایک خشک عقیدہ کی ہے۔ جب کہ ان کی اپنی محبوب شخصیتوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا نام آتے ہی ان کی پوری ہستی جھوم جاتی ہے۔ ان کے دل و دماغ کا چمن کھل اٹھتا ہے۔ ان کے تصور سے ان کی یادوں کی دنیا میں بہار آ جاتی ہے

خدا اپنے سورج کے ذریعہ سارے عالم کو روشن کر رہا ہے مگر اس کو دیکھ کر کسی پر غیر معمولی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ البتہ دنیا کو یہ بتانے میں وہ فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کی محبوب شخصیت نے سارے عالم کو اپنی تقریروں سے جگمگا دیا ہے۔ ہواؤں کا نظام دیکھ کر انھیں خدا کی کاریگری پر وجد نہیں آتا۔ البتہ اپنے بزرگوں کے کارنامے بتانے کے لئے وہ یہ شاندار الفاظ پا رہے ہیں کہ انھوں نے ساری دنیا میں اپنے فیض کی ہوائیں چلا دی ہیں۔ زمین و آسمان میں خدا کی بے پایاں حکمتیں ان کی روح پر رقص طاری نہیں کرتیں۔ البتہ اپنے محبوب قائد کے فکر و تدبر کی عظمت کو بتانے کے لئے لغت کے سارے الفاظ بھی ان کو ناکافی معلوم ہوتے ہیں۔ خدا نے اپنی بے پناہ طاقت سے زمین و آسمان کو سنبھال رکھا ہے مگر اس کو دیکھ کر ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے۔ البتہ اپنے بڑے ان کو اس طرح دکھائی دے رہے ہیں جیسے وہ تمام ملکوں اور قوموں کو تھامے ہوئے ہیں۔ پانی کا عجیب و غریب انتظام جس نے زمین کو ساری معلوم کائنات میں ایک استثنائی کرہ بنا دیا ہے ان کو حیرانی میں مبتلا نہیں کرتا۔ البتہ اپنے پیشواؤں کے کارنامے بیان کرنے کے لئے وہ پورے جوش سے کہہ اٹھتے ہیں کہ ان کے فیض کے چشمے سے ساری دنیا سیراب ہو رہی ہے ——— شاید انسان کسی دکھائی دینے والی چیز کو اپنا مرکز محبت بنانا چاہتا ہے اور جب خالق اس کو دکھائی نہیں دیتا تو وہ کسی مخلوق کو اپنا مرکز محبت بنا لیتا ہے۔

مظلوم قوم کی حمایت، مظلوم فرد سے بے اعتنائی

مسلم کی ایک روایت کے مطابق آخرت میں ایسے لوگ لائے جائیں گے جنھوں نے اسلام کے نام پر جہاد کیا ہوگا۔ قرآن کے علم کو لوگوں کے درمیان پھیلایا ہوگا۔ مال و دولت کو خوب اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوگا۔ اس کے باوجود وہ لوگ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ کیوں کہ انھوں نے یہ سب کچھ شہرت کے لئے کیا ہوگا (۴۰۲) دوسری طرف مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں سے کہے گا کہ تم نے میری عبادت نہیں کی۔ تم نے مجھ کو کھانا نہیں کھلایا، تم نے مجھ کو پانی نہیں پلایا۔ وہ لوگ کہیں گے کہ خدایا تو سارے جہان کا مالک ہے، تجھ کو ان چیزوں کی کیا ضرورت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فلاں شخص بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ فلاں شخص بھوکا تمھارے پاس آیا تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا۔ فلاں شخص نے تم سے پانی مانگا تم نے اس کو پانی نہیں پلایا۔ اگر تم ایسا کرتے تو مجھ کو تم وہاں پاتے (۲۴۵)

عمل کرنے کی ایک جگہ وہ ہے جہاں دیکھنے والے اس کو دیکھتے ہیں اور چرچا کرنے والے اس کا چرچا کرتے ہیں۔ جہاں وہ فوراً اخبار کی خبر بنتا ہے۔ عمل کرنے کی دوسری جگہ وہ ہے جہاں یا تو کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا یا اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ ایسا واقعہ ہوتا جس کو لوگ چرچا کے قابل نہیں سمجھتے۔ اخبار میں اس کی شان دار سرخی نہیں بنائی جاتی۔ بالفاظ دیگر ایک عمل مجمع عام کی سطح پر کیا جاتا ہے اور دوسرا عمل فرد کی سطح پر۔ پہلے عمل کو "لوگ" دیکھتے ہیں۔ دوسرا عمل وہ ہے جس کو خدا دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ہمارے اسلام کا امتحان جہاں مطلوب ہے وہ "فرد" ہے نہ کہ مجمع عام۔ فرد کی سطح پر جو شخص تقویٰ اور اسلامیت کا ثبوت دے رہا ہے وہی اللہ کی نظر میں مسلم اور متقی ہے۔ عوامی سطح پر اسلامیت کا اظہار شہرت طلبی کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آدمی کے سامنے جب ایک تنہا شخص آتا ہے اور وہ اس کی مدد کرتا ہے تو اس میں شہرت کا کوئی محرک نہیں ہوتا۔

آج مظلوم قوم کی حمایت میں ہر شخص بول رہا ہے مگر مظلوم فرد کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ وہی آدمی جو اسٹیج پر ملت کی مظلومی کے بارے میں تقریر کا دریا بہا رہا ہے جب اس کے سامنے ملت کا ایک فرد اپنی مصیبت لے کر آتا ہے تو اس کو فرد کا مسئلہ حل کرنے سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی۔ ملت پر کوئی افتاد پڑے تو وہ تار اور ٹیلی فون اور ہوائی جہاز کی سی تیزی کے ساتھ اس میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے دوڑ پڑتا ہے۔ مگر اسی ملت کا ایک فرد اپنے مسئلہ کے حل کے لئے اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کے سینہ میں پتھر کا سا دل پاتا ہے۔ دور کے مقام پر اخلاق اور انسانیت یا اسلامی قانون پر سمینار ہو تو ہر آدمی چاہتا ہے کہ ہوائی جہاز میں اڑ کر جائے اور "بین اقوامی" سمینار میں ایک شاندار تقریر پیش کرے۔ مگر پڑوس کا ایک آدمی جو اس سے اسلامی سلوک کی بھیک مانگے، جو اس کے سامنے اخلاق اور انسانیت کی دہائی دے رہا ہو، اس کی درخواست کو سننے کے لئے اسے فرصت نہ ہوگی۔

دنیا کا خطرہ آدمی ہمیشہ اپنے اوپر محسوس کرتا ہے
اور آخرت کا خطرہ صرف دوسروں کے اوپر

ایک بار میں ہریانہ کے علاقہ میں بس سے سفر کر رہا تھا۔ لمبی بس تقریباً پوری بھری ہوئی تھی۔ ایک مقام پر سامنے سے آنے والے ٹرک کے لئے اس کو راستہ دینا پڑا۔ برسات کا زمانہ تھا۔ پختہ سڑک کے کنارے مٹی کا حصہ نرم ہو گیا تھا۔ بس کے پہیے ایک طرف زمین پر سڑک سے اتر گئے۔ بس ابھی الٹی نہیں تھی صرف کروٹ ہوئی تھی کہ تمام مسافروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہر آدمی اپنی سیٹ سے اٹھ کر بھاگنے لگا۔ بس کے دونوں دروازوں پر بے تحاشا ہجوم ہو گیا۔ کچھ لوگ جلدی میں کھڑکی کی طرف سے کود پڑے۔ لوگ اس قدر بے تاب تھے جیسے ہر شخص کو یہ محسوس ہو رہا ہو کہ سارا خطرہ اسی کے لئے ہے اور صرف وہی حادثہ کا شکار ہونے والا ہے۔ میں لوگوں کی گھبراہٹ دیکھنے میں اتنا محو ہوا کہ مجھے یاد نہ رہا کہ اس نازک موقع پر مجھے بھی ان کی پیروی کرنی چاہئے۔

جب آدمی کو کسی خطرہ کا سامنا ہو تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ خطرہ کا مسئلہ خواہ کروڑوں آدمیوں کے لئے ہو، ہر آدمی یہی سمجھتا ہے کہ سارا خطرہ بس اسی کے لئے ہے۔ اور سب سے پہلے اسی کو اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اس کا ایک تجربہ اگست ۱۹۷۹ میں ۸۰ ٹن کے اسکائی لیب کے سلسلہ میں ہوا۔ امریکہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ اسکائی لیب پر کنٹرول ختم ہو گیا ہے اور اندیشہ ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے۔ اس خبر کو سن کر ساری دنیا میں ہر شخص اس طرح ڈر گیا جیسے کہ اسکائی لیب اسی کے سر پر گرنے والی ہو ——— عجیب بات ہے کہ دنیا کے خطرہ کے بارے میں جو بات لوگوں کو اتنی اہمیت کے ساتھ معلوم ہے۔ اسی بات کو وہ آخرت کے خطرہ کے معاملہ میں بالکل بھول جاتے ہیں۔ دنیا کے خطرہ کو ہر آدمی سب سے پہلے اپنے اوپر آتا ہوا محسوس کرتا ہے اور اس سے بچاؤ کی فکر کرتا ہے۔ مگر آخرت کے خطرہ کے بارے میں وہ اس طرح مطمئن ہے گویا اس کا اندیشہ صرف دوسروں کے لئے ہے۔ اس کی اپنی ذات کے لئے اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔

ایک تضاد

ایک مسلمان تاجر رات دن تجارت میں مشغول رہتا تھا۔ اسی کے ساتھ کچھ وقتی اور رسمی اعمال کر کے سمجھتا تھا کہ اس نے جنت بھی اپنے لئے رزرو کر رکھی ہے۔ ایک صاحب نے تاجر کو قرآن و حدیث سے کچھ چیزیں سنائیں اور بتایا کہ آخرت کا معاملہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ تاجر نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا: "بابا کاہے کو اتنا ڈیپ میں جاتے ہو تم"۔ انھوں نے کہا: اگر آپ کا انکم ٹیکس کا مقدمہ ہو تو اس میں آپ خوب ڈیپ (گہرائی) میں جائیں گے۔ مگر آخرت کے مقدمہ کے متعلق سمجھتے ہیں کہ بس سرسری طور پر اس میں کامیاب ہو جائیں گے۔ گویا آخرت کا معاملہ اتنا سنجیدہ بھی نہیں جتنا سنجیدہ انکم ٹیکس کا معاملہ ہوتا ہے۔

یہ جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا ہونا ہے

لوہے کے ایک ٹکڑے سے سائنسی پیمانہ بنانا ہو تو اس کو شدید ترین آزمائشی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے معیاری پیمانہ کی صورت میں ڈھل سکے جس سے سائنسی تجربوں میں چیزوں کو ناپنے اور اندازہ کرنے کا کام لیا جائے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ شاہد (حق کا گواہ) بننے کا بھی ہے۔ داعی اور شاہد بننا اس زمین پر سب سے مشکل واقعہ کو ظہور میں لانا ہے۔ یہ خدائی منصب کسی کو اس طرح نہیں مل جاتا کہ وہ کچھ الفاظ لکھ یا بول دے، پریس اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کچھ آوازیں لوگوں تک پہنچا دے۔ داعی اور شاہد بننا خدا کی زمین پر خدا کا پیمانہ بننا ہے جس سے حق اور باطل کو ناپا جاسکے۔ یہ اپنے آپ کو خدا کی کوہ شکن تجلیات کی زد میں لے جانا ہے تاکہ وہ ان کو اپنے اوپر لے کر انھیں عام انسانوں کی طرف منعکس کر سکے۔ جس جنت اور جہنم کے درمیان لوگ مرنے کے بعد کھڑے ہونے والے ہیں وہاں اپنے آپ کو جیتے جی پہنچا دینا ہے۔ خدا کا گواہ بننے والا خدا کے ناقابل برداشت عذاب کی لپٹوں کو اپنے اوپر محسوس کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس سے ڈرائے، وہ خدا کے ثواب کی راحتوں میں بسیرا لیتا ہے تاکہ اس کی خوش خبری لوگوں کو سنا سکے۔ اس طوفان خیز تجربہ کے بعد وہ انسان بنتا ہے جو خدا کی طرف سے بولے اور لوگوں کے اوپر خدا کے دین کا داعی اور شاہد بنے۔

داعی اور شاہد بننا دراصل انسانوں کے درمیان ایسے انسان کو وجود میں لانا ہے کہ تمام صحیح ترین واقعات اس کی نسبت سے قائم ہو جائیں۔ عدل اور ظلم، خدا پرستی اور خدا فراموشی، قبول حق اور انکار حق غرض آخروی اہمیت کی تمام باتوں کے لئے اس کی زندگی معیاری مثال بن جائے۔ داعی اور شاہد کی زندگی میں حق اپنی کامل صورت میں متحقق ہوتا ہے اور باطل اپنی کامل صورت میں برہنہ ہو جاتا ہے۔ داعی اور شاہد کوئی آدمی اس وقت بنتا ہے جب کہ اس کے ذریعہ ایسے کلام کا ظہور ہو جس میں حق صرف حق کی صورت میں دکھائی دے اور باطل صرف باطل کی صورت میں نظر آئے۔ اس کے ذریعہ ایسے حق کو قبول کرنے والے لوگ وجود میں آئیں جنھوں نے خالصتہً اللہ کی خاطر حق کو اختیار کیا ہو۔ اس کے ذریعہ ایسے حق کا انکار کرنے والے لوگ ابھریں جو کامل اظہار حق کے باوجود اس کا انکار کرنے والے بنے ہوں۔ اس سے ایسے واقعات کا صدور ہو جس میں وہ تمام تر انصاف پر ہو اور دوسرا تمام تر بے انصافی پر۔ خدا کی زمین پر اس کی زندگی ایسی سرگزشتوں کی تاریخ ہو جس میں وہ صد فی صد مظلوم ہو اور اس کا فریق صد فی صد ظالم۔

داعی اور شاہد بننا خدا کی زمین پر خدا کی عدالت بننا ہے۔ اور خدا کی عدالت وہی بن سکتا ہے جو اپنے کلام اور لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات میں معیار کامل کی حد تک پہنچ گیا ہو۔ وہ خدا کی زمین پر ایسا پیمانہ بن جائے جس پیمانہ سے خدا لوگوں کو ناپے۔ وہ ایسا ترازو بن جائے جس ترازو سے خدا لوگوں کو تولے۔ خدا کا گواہ بننا زبان و قلم کا کمال دکھانے کا نام ہے اور نہ قیادت کا چمتکار دکھانے کا۔ یہ قول ثقیل (مزمل) کا حامل بننا ہے۔ یہ اپنے آپ کو خاشعا متصدعا (حشر) کے مقام پر کھڑا کرنا ہے۔ یہ سولی پر چڑھنے اور پھانسی پر لٹکنے سے بھی زیادہ سخت تجربہ ہے۔ یہ مقام اسی کو ملتا ہے جو اپنی شخصیت کی نفی کر کے خدا کی طرف بڑھا ہو، جس نے دنیا کی بربادی کی قیمت پر آخرت کو اختیار کیا ہو۔

ارتقاء تجربہ کی کسوٹی پر

انسان اور دوسرے بے شمار حیوانات کیسے بنے۔ نظریہ ارتقار کا کہنا ہے کہ وہ ترقی کرتے کرتے اپنی موجودہ صورت میں بن گئے ہیں۔ مثلاً انسان حیوانات ہی کی ایک خاص شاخ کی اگلی ترقی یافتہ صورت ہے۔ یہ شاخ ترقی کرتے کرتے بالآخر بے دُم کے بندر (گوریلا، چمپانزی) تک پہنچی۔ بے دُم کے بندروں کی ارتقائی صورت کا نام انسان ہے۔ گویا بے دُم کے بندر ہمارے قریبی پرکھے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق یہ ممکن ہونا چاہیے کہ بے دم کے بندروں کو ضروری تربیت دے کر ان میں وہ ارتقائی اوصاف پیدا کئے جاسکیں جو آج انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اس مفروضہ کی بنا پر یہ مان لیا گیا تھا کہ اس قسم کے بندروں کو تربیت دے کر ان میں انسانی اوصاف پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ تاہم امریکہ میں اس سلسلے کی پچھلے تیرہ سال کی کوششیں مکمل طور پر ناکام ہوگئی ہیں۔ بعض پرجوش ارتقار پسند اگرچہ اب بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مایوس نہیں ہیں۔ تاہم حقیقی نتائج ان کی خوش گمانی کی تائید نہیں کرتے۔

ہربرٹ ٹریس (Herbert Terrace) کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انھوں نے چمپانزی کا ایک بچہ لیا اور گھر کے ماحول میں رکھ کر اس کو پالنا شروع کیا۔ ان کا بنیادی مقصد اس کو بولنا سکھانا تھا۔ مگر چار سال کی مسلسل کوشش کے باوجود انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ چمپانزی نے جو کچھ سیکھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا جو ایک کتا بھی سیکھ لیتا ہے، کتا اپنے مالک کی بعض اشاراتی آوازوں پر حرکت کرتا ہے، اسی طرح چمپانزی بھی۔ چمپانزی نے بعض الفاظ بولنا ضرور سیکھ لیا مگر اس کی کارکردگی کی حقیقت ایک خالص ڈرل سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ پروفیسر ٹریس کے الفاظ میں بولنے کی صلاحیت انسان کی خصوصی صلاحیت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "انسان حیوان ناطق ہے" کی قدیم انسانی تعریف آج کے دور کے لئے بھی صحیح ہے۔

Language still stands as animportant
definition of the human species.

بے دُم والے بندروں کا حافظہ اچھا ہوتا ہے، اس لئے کئی ایسے گوریلا اور چمپانزی ہیں جنھوں نے مشق کے بعد انسانی زبان کے متعدد الفاظ یاد کر لئے ہیں مگر ڈاکٹر ٹریس کا کہنا ہے کہ لمبی تربیت کے باوجود وہ اس صلاحیت کا ثبوت نہ دے سکے کہ متفرق یاد کئے ہوئے الفاظ کو جوڑ کر ایک بامعنی جملہ بنا سکیں۔ ڈاکٹر ٹریس نے یہ تربیتی سلسلہ نومبر ۱۹۷۳ میں شروع کیا تھا۔ ڈاکٹر ٹریس نے تربیت یافتہ چمپانزی کا ٹیپ لوگوں کو سنایا۔ چمپانزی یاد کئے ہوئے الفاظ دہرا رہا تھا۔ مگر تمام الفاظ بے ترتیب تھے، جیسے کوئی شخص لکھے ہوئے الفاظ کا متفرق کارڈ بے ربط طور پر نکال رہا ہو۔ مثلاً چمپانزی کی ایک "گفتگو" کے الفاظ یہ تھے (ٹائمس آف انڈیا ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۹)

give orange me give eat orange me eat
orange give me eat orange give me you

انسان کا بچہ اپنے گھر میں خود بخود بولنا سیکھ لیتا ہے۔ مگر چمپانزی اسی گھر میں ماہرین کی خصوصی تربیت کے باوجود کچھ نہ سیکھ سکا۔ وہ چند رٹائے ہوئے الفاظ کو بے ربط طور پر دہراتا رہا۔ یاد کئے ہوئے الفاظ کو جوڑ کر ایک بامعنی جملہ بنانے پر وہ قادر نہ ہوسکا۔

خدا کی دنیا کتنی حسین ہے

جب آپ اپنے کمرہ میں ہوں تو آپ اس کی چھت کو ناپ کر معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کی لمبائی کتنی ہے اور چوڑائی کتنی۔ مگر جب آپ کھلے میدان میں آسمان کے نیچے ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی چھت کی لمبائی اور چوڑائی کو ناپنے کے لئے آپ کے تمام پیمانے ناکافی ہیں۔ یہی حال خدا کی پوری کائنات کا ہے۔ ایک بیج جس طرح بڑھ کر درخت کی ایک دنیا بناتا ہے اس کو کون بیان کر سکتا ہے۔ سورج کی روشنی، ہواؤں کا نظام، بڑیوں کے نغمے، پانی کے بہتے ہوئے چشمے اور اسی طرح کی بے شمار چیزیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

سچائی اس سے زیادہ لطیف ہے کہ اس کو انسانی لفظوں میں بیان کیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں زبان گنگ ہو جاتی ہے وہاں سے حقائق شروع ہوتے ہیں۔ جہاں الفاظ ساتھ نہیں دیتے وہاں سے معانی کا آغاز ہوتا ہے۔ خدا چپ کی زبان میں بول رہا ہے اور ہم اس کو شور کی زبان میں سننا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں کیسے ممکن ہے کہ ہم خدا کی آوازوں کو سن سکیں۔ اس دنیا کی سب سے قیمتی باتیں وہ ہیں جو چپ کے بول میں نشر ہو رہی ہیں مگر جو لوگ صرف شور و غل کی بولیاں سننا جانتے ہوں وہ ان قیمتی باتوں سے اسی طرح ناآشنا رہتے ہیں جس طرح ایک بہرا شخص کسی عمدہ موسیقی سے۔

خدا کی دنیا بے حد حسین ہے۔ اس کے حسن کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آدمی جب اس دنیا کو دیکھتا ہے تو بے اختیار اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ خدا کی اس ابدی دنیا کا باشندہ بن جائے ——— وہ ہواؤں میں شامل ہو جائے وہ درختوں کی سرسبزیوں میں جا بسے۔ وہ آسمان کی بلندیوں میں کھو جائے۔ مگر انسان کی محدود بیتیں اس کی اس خواہش کی راہ میں حائل ہیں۔ وہ اپنی محبوب دنیا کو دیکھتا ہے مگر اس میں شامل نہیں ہو پاتا۔ شاید جنت اسی کا نام ہے کہ آدمی کو اس کی محدودیتوں سے آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ خدا کی حسین دنیا میں ابدی طور پر داخل ہو جائے۔

انسان نے جو تمدنی دنیا بنائی ہے وہ خدا کی دنیا سے کس قدر مختلف ہے۔ انسان کی بنائی ہوئی سواریاں شور اور دھواں پیدا کرتی ہیں مگر خدا کی دنیا میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اور نہ کہیں شور ہوتا ہے اور نہ دھواں۔ انسان انسانوں کے درمیان اس طرح رہتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، مگر خدا کی دنیا میں ہوا اس طرح گزرتی ہے کہ وہ کسی سے نہیں ٹکراتی۔ انسان اپنی غلاظت کو کاربن اور پسینہ اور بول و براز کی صورت میں خارج کرتا ہے مگر خدا نے اپنی دنیا میں جو درخت اگائے ہیں وہ اس کے برعکس اپنی کثافت کو آکسیجن کی صورت میں خارج کرتے ہیں اور پھول اپنی کثافت کو خوش بو کی صورت میں۔ انسان کے بنائے ہوئے تمام شہروں میں کوڑے کو ٹھکانے لگانا ایک ناقابل حل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ مگر خدا کی بنائی ہوئی وسیع تر دنیا میں ہر روز بڑے پیمانہ پر "کوڑا" نکلتا ہے مگر کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ کیوں کہ اس کو Recycle کر کے دوبارہ کائنات کے مفید اجزاء میں تبدیل کر دیا جاتا ہے ——— جو شخص حقیقت کی جھلک دیکھ لے وہ اس کے بیان سے اپنے کو عاجز محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس پر چپ طاری ہو جاتی ہے نہ یہ کہ وہ لفظوں کا سیلاب بہانے لگے۔

سچائی کو وہی پاتا ہے جو سچائی کا طالب ہو

معانی کی دنیا خدا کے جلووں کی دنیا ہے۔ کون ہے جو خدا کے جلووں کو انسانی زبان میں بیان کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں الفاظ ختم ہو جاتے ہیں وہاں سے معانی کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم جب کسی معنی کو بیان کرتے ہیں تو ہم اس کو بیان نہیں کرتے بلکہ اس کو کچھ گھٹا دیتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک لفظی پردہ ڈال دیتے ہیں۔ کسی بامعنی حقیقت کو کوئی شخص محض اس کے الفاظ سے سمجھ نہیں سکتا۔ ایک اندھا شخص کسی کے بتانے سے یہ نہیں جان سکتا کہ پھول کیا ہے۔ اسی طرح ایک شخص جس نے معنوی حقائق کو دیکھنے کی صلاحیت اپنے اندر نہ جگائی ہو وہ معنوی حقائق سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ خواہ ڈکشنری کے تمام الفاظ اس کے سامنے دہرا دئے جائیں، خواہ قاموس المعانی کی تمام جلدوں کو اسے پڑھا دیا جائے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس کتاب سے ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اپنے اندر تقویٰ کی صفت رکھتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سچائی اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں سچائی کی کھٹک موجود ہو۔ جو شخص سچائی کی تلاش میں ہو، سچائی جس کی ضرورت بن گئی ہو، جو سچائی کو پانے کے لئے اتنا بے قرار ہو کہ وہ اسی کی یاد لے کر سوتا ہو اور اسی کی یاد لے کر جاگتا ہو۔ جو آدمی اس طرح سچائی کا طالب ہو، قرآن اسی کے لئے ہدایت بنتا ہے۔ ایسا شخص گویا ہدایت کا نصف راستہ طے کر چکا ہے۔ وہ اپنے اندر چھپے ہوئے عہد الست کی خدائی آوازوں کو سن رہا ہے۔ وہ اپنے اندر اس صلاحیت کو بیدار کر چکا ہے جو معانی کی زبان کو سمجھتی ہے۔ ایسا شخص مادی دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے عالم حقائق سے اتنا قریب آجاتا ہے کہ وہ فرشتوں کی سرگوشیوں کو سننے لگتا ہے۔ نبوت کا علم ملنے سے پہلے یہ تمام تجربات آدمی کے اندر مبہم اور مجہول انداز میں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جب قرآن کی آواز اس کے اندر داخل ہوتی ہے تو وہ اس کی کتاب فطرت کی تفسیر بن جاتی ہے۔ وہ اپنے اندر چھپے ہوئے غیر ملفوظ اشارات کو ملفوظ زبان میں پالیتا ہے۔ قرآن اور قرآن کو پڑھنے والا دونوں ایک دوسرے کا مثنیٰ بن جاتے ہیں۔ قرآن وہ بن جاتا ہے اور وہ قرآن:

تماشے کی باتوں میں

السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا (بمبئی) انگریزی کا مشہور ہفت روزہ ہے۔ وہ ۱۸۸۰ میں جاری ہوا۔ اس کی ۱۰ جون ۱۹۷۹ کی اشاعت کرکٹ نمبر تھی جس کا عنوان تھا: "ورلڈ کپ کرکٹ اسپیشل"۔ یہ اشاعت ۵۰۰،۰۰۰ کی تعداد میں چھپی۔ یہ تعداد اس کی پچھلے سو برس کی تمام اشاعتوں میں سب سے زیادہ ہے ——— آج کی دنیا میں لوگ کھیل تماشے کی باتوں کے سب سے زیادہ خریدار ہوتے ہیں۔ سنجیدہ باتوں سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ آدمی سطحی چیزوں میں اتنا زیادہ کھویا ہوا ہے کہ گہری باتوں میں دھیان دینے کا اسے خیال بھی نہیں آتا۔

تعلقات کی بنیاد --

اور ابراہیم نے کہا: اللہ کے سوا جن بتوں کو تم نے پکڑ رکھا ہے وہ صرف دنیا کے باہمی تعلقات کی وجہ سے ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ایک دوسرے کا مخالف ہوگا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔ (عنکبوت ۲۵)

ابراہیم علیہ السلام نے قدیم عراق کے باشندوں کو دعوت دی کہ اللہ کی عبادت کرو، اللہ سے ڈرو اور شرک سے بچو۔ یہ دعوت لوگوں کو اتنی سخت معلوم ہوئی کہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ خدا کے پیغمبر کو مار ڈالیں یا اس کو زندہ جلا دیں۔ قوم کی طرف سے اتنا سخت ردعمل کیوں ظاہر ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شرک ان کے لئے تعلقات دنیا کی بنیاد بنا ہوا تھا۔ شرک کو چھوڑنا اور پیغمبر کا ساتھ دینا دنیوی تعلقات کو توڑنے کے ہم معنی نظر آتا تھا۔ اپنی دنیا کو بچانے کے لئے انھوں نے طے کیا کہ پیغمبر کی تحریک کو ختم کر ڈالیں۔

آدمی ہمیشہ قوم یا گروہ کے ساتھ جیتا ہے۔ جن لوگوں کے درمیان باہمی موانست ہو جاتی ہے وہ اس انس کی بنا پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرتے ہیں ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔ ایک کو دوسرے سے نفسیاتی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی اجتماعیت یا گروہ بندی حقیقۃً دنیوی محرک کے تحت ہوتی ہے مگر اعتقادی بنیاد یا نظریاتی علامت کے طور پر کچھ چیزیں ان کے درمیان محترم ہو جاتی ہیں۔ کبھی کوئی بت، کبھی کوئی شخصیت، کبھی اور کوئی مادی یا غیر مادی تصور۔ یہ مرکز محبت جو لوگوں کو جوڑتا ہے، اس کی شدید طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ کیوں کہ لوگوں کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کے ٹوٹتے ہی ان کے دنیوی مفادات کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

آدمی جس نظام مودت سے وابستہ ہو اس سے علیحدگی عام حالات میں بھی مشکلات کا باعث ہوتی ہے اور اگر یہ علیحدگی ایک ایسے شخص کا ساتھ دینے کے نتیجہ میں ہو جو مروجہ نظام مودت کا ناقد بنا ہوا ہو تو پھر مشکلات کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ پیغمبر بتاتا ہے کہ مرکز محبت بنانے کے قابل ذات صرف خدا کی ہے۔ وہی حقیقی طور پر یہ شان رکھتا ہے کہ انسان اس کو اپنا معبود بنائے اور اس کی بنیاد پر اپنے اجتماعی تعلقات کی تنظیم کرے۔ اس کے سوا ہر سہارا جھوٹا ہے۔ کسی بھی دوسری چیز کو حقیقی طور پر معبودیت کا یہ مقام حاصل نہیں۔ خدا کے سوا آدمی جس کو یہ مقام دے وہ اس کے لئے دھوکا ثابت ہوگا۔ آخرت میں جب حقیقت کھلے گی تو غیر اللہ کی بنیاد پر باہم محبت کرنے والے ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے۔

کتنے لوگ ہیں جو اپنے ہم قوم اور اپنے حلقہ والوں کے درمیان بہت با اخلاق دکھائی دیں گے۔ مگر جہاں مودت کا یہ رشتہ نہ ہو وہاں ان سے کسی اخلاق کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ان کی خوش خلقی، شرافت، فیاضی، تعاون اور ایفائے عہد ان لوگوں کے لئے ہے جو ان کے "معبود بھائی" ہوں۔ جن سے اس قسم کی دوستی اور تعلق نہ ہو، ان کو وہ اخلاق کا تحفہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان کی اخلاقیات ان کی مودت دنیا کے نظام کے تابع ہے نہ کہ خدا کے تابع۔

آپ کا اخلاق

فرانس کے مشہور فلسفی والٹیر (۱۷۷۸ - ۱۶۹۴) نے کہا تھا کہ کوئی شخص اپنے قریبی لوگوں میں ہیرو نہیں ہوتا:

No one is A Hero To His valet

کیوں کہ قریبی لوگوں کی نظر میں آدمی کی نجی زندگی ہوتی ہے اور نجی زندگی میں کوئی بھی کامل نہیں ہوتا۔ دور والوں کو ایک شخص جتنا اچھا معلوم ہوتا ہے، قریب کے لوگوں کو وہ اتنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے قریبی لوگوں کے اندر اس کے بارے میں ہیرو کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ مگر سورن اسمتھ نے لکھا ہے کہ یہ کلیہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آتا، کیوں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ آپ سے قریب تھا، اتنا ہی زیادہ وہ آپ کی خوبیوں کا شیدائی تھا۔

زید بن حارثہ رضؓ قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شراحیل کے لڑکے تھے۔ ان کی ماں سُعدی بنت ثعلبہ تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ زید جب آٹھ سال کے تھے، اس وقت ان کی ماں ان کو لے کر اپنے میکے گئیں۔ وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا۔ وہ جو کچھ لوٹ کر لے گئے اس میں زید بھی تھے۔ اس کے بعد انھوں نے عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ ان کو حکیم بن حزام نے خرید لیا جو حضرت خدیجہ رضؓ کے بھتیجے تھے۔ وہ اس بچہ کو مکہ لائے اور غلام کی حیثیت سے اپنی پھوپھی کو دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا تو حضرت خدیجہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ اس وقت زید کی عمر ۱۵ سال تھی۔ کچھ عرصہ بعد زید رضؓ کے باپ اور چچا کو معلوم ہوا تو وہ مکہ آئے تاکہ اپنے بچے کو حاصل کر کے اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہا کہ آپ جو فدیہ لینا چاہیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہم کو دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کوئی فدیہ نہیں چاہئے۔ اگر لڑکا تمھارے ساتھ جانا چاہے تو تم اس کو لے جا سکتے ہو۔ آپؐ نے زید کو بلایا اور کہا ان کو پہچانتے ہو۔ انھوں نے کہا ہاں، یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ لوگ تم کو لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ان کے ساتھ اپنے گھر جا سکتے ہو۔ زید رضؓ نے جواب دیا: میں آپؐ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ سن کر ان کے باپ اور چچا بگڑ گئے۔ انھوں نے کہا: تم آزادی کو چھوڑ کر غلامی کو پسند کرتے ہو اور اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں رہنا چاہتے ہو۔ زید نے کہا: میں نے محمدؐ کے اندر جو خوبیاں دیکھی ہیں اس کے بعد اب میں کسی کو بھی ان کے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد زید کے باپ اور چچا اپنے وطن کو واپس چلے گئے ——— یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی خصوصیت کی طرف قرآن میں ان لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك (آل عمران ۱۵۹)

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم ہو۔ اگر تم درشت اور سخت دل ہوتے تو وہ تمھارے پاس سے منتشر ہو جاتے

جب کرتب بازی کو کمال سمجھا جانے لگے

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک شخص آیا اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنا ایک کرتب دکھاؤں۔ ہارون رشید نے اجازت دے دی۔ آدمی نے اس کے بعد اپنی جھولی سے بارہ بڑی بڑی سوئیاں نکالیں۔ اس نے ایک سوئی کو ہاتھ میں لے کر پھینکا تو وہ ایک فاصلہ پر جاکر کھڑی صورت میں زمین پر گڑ گئی۔ اب اس نے دوسری سوئی پھینکی تو وہ پہلی سوئی کے سوراخ میں جاکر اٹک گئی۔ پھر اس نے تیسری سوئی پھینکی تو وہ دوسری سوئی کے سوراخ میں پیوست ہوگئی۔ اسی طرح وہ ایک ایک سوئی پھینکتا گیا اور ہر سوئی اپنے سے پہلے والی سوئی کے سوراخ میں داخل ہوتی چلی گئی، اور بالآخر بارہ سوئیوں کا ایک جال بن گیا۔ ہارون رشید حیرت کے ساتھ یہ تماشا دیکھتا رہا۔ آخر میں اس نے دس درہم ہاتھ میں لے کر آدمی کی طرف پھینکے اور کہا خذ ھا اف لک (اس کو لے، تجھ پر افسوس ہے) کاش تو نے کسی مفید کام میں یہ مہارت پیدا کی ہوتی۔

جب مسلمان زندہ تھے تو ان کو معلوم تھا کہ کرتب بازی میں اور ایک حقیقی کام میں کیا فرق ہے — مگر آج انھیں مسلمانوں کی بے شعوری کا یہ حال ہے کہ وہ اس فرق سے بے خبر ہو کر کرتب بازی پر وہ داد دے رہے ہیں جو صرف حقیقی عمل پر دی جانی چاہئے۔ قافیہ میں قافیہ ملانے والے شاعر، الفاظ کا گلدستہ بنانے والے مقرر، سیاسی شوشوں سے قوم کا مستقبل برآمد کرنے والے قائد، سب اسی قسم کے کرتب باز ہیں جیسے ہارون رشید کے زمانہ کا مذکورہ شخص۔ مگر ہارون رشید نے اپنے زمانہ کے کرتب باز سے کہا تھا کہ تیرا برا ہو۔ جب کہ آج کے کرتب بازوں کو شاندار خطابات مل رہے ہیں اور ہر طرف ان کے استقبالیہ جلسوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ موجودہ زمانہ کے کرتب بازوں کی فہرست میں سب سے آگے وہ انقلابی قائدین ہیں جو تقریروں کے ذریعہ ہر روز شاندار محل کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ ہارون کے زمانہ کے آدمی نے اگر سوئیوں کا کھیل دکھایا تھا تو یہ لفظوں کے کھیل دکھا رہے ہیں۔ ایک قائد ایک "عظیم اسلامی اجتماع" میں تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی پرجوش تقریر کو اس جملہ پر ختم کیا — "مسلم نوجوانوں کو میرا پیغام ہے کہ کفر کے چراغ کو جہاں پاؤ بجھا دو"

اس قسم کی مجاہدانہ تقریریں آج ساری مسلم دنیا میں گونج رہی ہیں۔ انھوں نے مسلم نوجوانوں کو انتہائی جذباتی بنا دیا ہے مگر "کافر اقوام" پر ان کا بس نہیں چلتا۔ کیوں کہ ان قوموں نے طاقت کے تمام اسباب جمع کرکے اپنے کو انتہائی طاقت ور بنا لیا ہے اور مسلمان ان کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے بے حد پیچھے ہیں۔ تاہم لوگوں کے بڑھے ہوئے جوش جہاد کو کوئی نشانہ درکار تھا۔ چنانچہ اب ہر ایک نے خود اپنے مسلم بھائیوں میں "کفر کے چراغ" دریافت کرلئے ہیں اور ہر ایک ان کو بجھانے میں مشغول ہے۔ کہیں یہ جہاد گولیوں کی بوچھار کے ذریعہ جاری ہے اور جہاں اس کے مواقع نہیں ہیں وہاں اس سے کمتر کسی کارروائی کی صورت میں۔ کفر کا چراغ بجھانے کا نعرہ عملاً اسلام کا چراغ بجھانے کے ہم معنی بن گیا ہے۔ کہیں فوجیں خود اپنے ملک پر چڑھائی کرکے فتح کے جھنڈے لہرا رہی ہیں۔ کہیں قائدین خود اپنے مسلمان سیاسی حریفوں کو قتل کرکے مجاہد کا لقب لے رہے ہیں۔ کہیں کوئی جماعت خود اپنے بھائی کو جارحانہ کارروائیوں کا نشانہ بنا کر باطل کو مٹانے کا کارنامہ انجام دے رہی ہے۔

آزمائش کا قانون

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں کوئی شخص صادق الایمان (عنکبوت ۳) اور مستحق جنت (بقرہ ۲۱۴) صرف اس وقت بنتا ہے جب کہ وہ فتنہ (آزمائش) میں پورا اترا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نجات کا دار و مدار محض مقررہ فرائض کی ادائگی پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا فیصلہ تمام تر اس لمحہ خاص میں انسان کے رویہ پر ہوتا ہے جب کہ اس کا رب اس کو آزماتا ہے۔ ایک شخص مقررہ اعمال (نماز، روزہ، حج وغیرہ) تو خوب اہتمام کے ساتھ ادا کر رہا ہے۔ مگر جب خلاف مزاج صورت پیش آئے یا غیر معمولی حالات میں بندۂ خدا ہونے کا ثبوت دینا ہو تو وہ مومنانہ روش پر قائم نہ رہے۔ جو شخص ایسا کرے، گویا کہ وہ عین اس وقت ناکام ہو گیا جب کہ اس کو سب سے زیادہ کامیابی کا ثبوت دینا چاہیے تھا۔ بائبل کے الفاظ میں، آدمی رات بھر اپنے "محبوب" کے انتظار میں جاگتا رہا اور صبح کو ٹھیک اس وقت سو گیا جب کہ محبوب کی سواری اس کے پاس سے گزر رہی تھی۔

اسلام کا طریقہ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (نساء ۱۰۰) جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں، وہ پائے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش ـــــ گویا جھگڑے کے مقام پر کٹ مرنا اسلام کا طریقہ نہیں۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جب جھگڑے کی صورت پیدا ہو تو مقام عمل کو تبدیل کر دو۔ کوئی شخص انسانی خیر خواہی اور اعتماد علی اللہ کے جذبہ سے جب ایسا اقدام کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ "مقام ہجرت" پر اس سے زیادہ بڑے مواقع اس کا انتظار کر رہے تھے جو مقام وطن پر اس کے لئے تھے یا ہو سکتے تھے

مومن اور غیر مومن کا فرق

مومن وہ ہے جو غلطی کر کے پلٹ آئے۔ جو غصہ ہونے کے بعد معاف کر دے۔ عزت کا سوال جس کو اعتراف سے روکنے والا ثابت نہ ہو۔ اس کے برعکس جس کا حال یہ ہو کہ وہ غلطیوں میں پیشار ہے۔ کسی سے ایک بار خفگی ہو جائے تو اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ جو کسی حال میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف نہ کرے۔ وہ اللہ کی نظر میں مومن نہیں ہے، خواہ دنیا میں اس نے ایمان و اسلام کے کتنے ہی تمغے اپنے اوپر لگا رکھے ہوں ـــــ یہ بات آج خواہ کتنی ہی چھپی ہوئی ہو۔ آخرت کے دن وہ اس طرح کھل جائے گی کہ اندھے بھی اس کو دیکھیں اور پتھر بھی اس کو جان لیں۔ موجودہ دنیا میں آدمی اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا چاہے تو اس کو اپنی غلطی کی تاویل کے لئے خوبصورت الفاظ مل جاتے ہیں۔ کوئی شخص دنیوی رونق اور مقبولیت حاصل کرے تو اس کی رونق اور مقبولیت وہ پردہ بن جاتی ہے جس میں اس کی ہر نالائقی چھپ جاتی ہے۔ مگر آخرت میں اس قسم کی کوئی چیز آدمی کے کام نہ آئے گی۔

یہ گونگے شاہکاروں کا عجائب خانہ نہیں

تمام سفروں میں ٹرین کا سفر سب سے زیادہ تجربات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ انسانی قافلوں کو لئے ہوئے تیز رفتار ایکسپریس دوڑی چلی جارہی ہے۔ گاڑی کے دونوں طرف قدرت کے مناظر مسلسل ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس طرح ٹرین گویا زندگی کے بڑے سفر کی ایک علامت بن گئی ہے جو نشانیوں سے بھری ہوئی ایک دنیا میں انسان طے کر رہا ہے۔ مگر جس طرح ٹرین کے مسافر اطراف کے مناظر سے بے خبر ہو کر اپنی ذاتی دلچسپیوں میں گم رہتے ہیں۔ اسی طرح انسان موجودہ دنیا میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بکھری ہوئی نشانیوں پر غور کرے۔

سورج اپنے روشن چہرہ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور انسان کے اوپر اس طرح چمکتا ہے جیسے وہ کوئی پیغام سنانا چاہتا ہو۔ مگر وہ کچھ کہنے سے پہلے غروب ہو جاتا ہے۔ درخت اپنی ہری بھری شاخیں نکالتے ہیں، دریا اپنی موجوں کے ساتھ رواں ہوتا ہے۔ یہ سب بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مگر انسان ان کے پاس سے گزر جاتا ہے۔ بغیر اس کے کہ ان کا کوئی بول اس کے کان میں پڑا ہو۔ آسمان کی بلندیاں، زمین کی رعنائیاں سب ایک عظیم "اجتماع" کے شرکار معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک خاموش کھڑا ہوا ہے۔ وہ انسان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔

یہ عظیم کائنات کیا گونگے شاہکاروں کا عجائب خانہ ہے۔ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خدا کا ایک پیغام ہے اور اس کو وہ ابدی زبان میں نشر کر رہا ہے۔ مگر انسان دوسری آوازوں میں اتنا کھویا ہوا ہے کہ اس کو کائنات کا خاموش کلام سنائی نہیں دیتا۔ ایک سفر میں ہم ایک درمیانی اسٹیشن پر نماز پڑھنے کے لئے اترے۔ اسٹیشن کے آدمیوں سے پوچھا کہ "قبلہ کس طرف ہے"۔ مگر کسی کے پاس اس سادہ سے سوال کا جواب نہ تھا۔ میں نے سوچا "سورج ایک روشن ترین حقیقت کی حیثیت سے روزانہ ان کے اوپر نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے۔ مگر لوگ اپنے آپ میں اتنا گم ہیں کہ ان کو مشرق و مغرب کا پتہ نہیں۔ پھر وہ لطیف پیغام جو سورج اور اس کے کائناتی ساتھی اپنی خاموش زبان میں نشر کر رہے ہیں ان سے کیسے کوئی باخبر ہو سکتا ہے۔

ہماری ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی۔ میں باہر آکر پلیٹ فارم پر کھڑا ہو گیا۔ سورج ابھی ابھی غروب ہوا تھا۔ ہرے بھرے درخت، ان کے پیچھے سرخی ملی ہوئی روشنی اور اس کے اوپر پھیلے ہوئے بادل، عجیب آفاقی حسن کا منظر پیدا کر رہے تھے۔ "ان میں کیسن ان کی بلندی نے پیدا کیا ہے" میں نے سوچا۔ "مگر انسان اس بلندی تک جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اس سطح پر نہیں جیتا جس سطح پر درخت جی رہے ہیں۔ وہ وہاں بسیرا نہیں لیتا جہاں روشنی اور بادل بسیرا لئے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس وہ سطحی مفادات میں جیتا ہے۔ وہ جھوٹی دوستی اور جھوٹی دشمنی میں سانس لیتا ہے۔ کائنات کا ہم سفر بننے کے بجائے اپنے آپ کو وہ اپنی ذات کے خول میں بند کر لیتا ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں جنتی فضائیں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہاں وہ اپنے آپ کو دوزخ کے ماحول میں ڈال دیتا ہے۔ انسانی دنیا کے بگاڑ کی ساری وجہ یہی ہے۔ اگر وہ بلند سطح پر جینے لگے تو اس کی زندگی میں بھی وہی حسن آجائے جو قدرت کے حسین مناظر میں دکھائی دیتا ہے۔ (۶ مارچ ۱۹۷۹)

اخلاق کی طاقت

۱۹۳۳ کا واقعہ ہے۔ فتح گڑھ (اتر پردیش) کے علاقہ میں سکھوا نامی ڈاکو نے سنسنی پھیلا رکھی تھی۔ اس کی لوٹ مار بے پناہ ہوتی جارہی تھی۔ پولیس کے افراد تک کے لئے ممکن نہیں رہا تھا کہ اس کی گولیوں کا نشانہ بننے سے بچ سکیں۔ مگر عین اس زمانہ میں بھی ایک اعلیٰ انتظامی افسر اس کی فہرستِ انتقام سے مستثنیٰ تھا۔ یہ سید صدیق حسن آئی سی ایس (وفات ۱۹۶۳) تھے۔ صدیق حسن صاحب اس زمانہ میں فتح گڑھ میں جوائنٹ مجسٹریٹ تھے۔ سکھوا ڈاکو کے خلاف پولس کی مہم انھیں کی ماتحتی میں چلائی گئی۔ مہینوں کی جد وجہد کے بعد سکھوا ڈاکو گرفتار ہوا اور صدیق حسن صاحب نے اس کے مقدمہ کی سماعت کرکے اس کو سزا کا حکم سنایا۔ مگر عین اس زمانہ میں جب کہ صدیق حسن صاحب سکھوا ڈاکو کے خلاف مہم کی قیادت کر رہے تھے، سکھوا ڈاکو نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ گرفتاری کے بعد اس نے بتایا کہ وہ اکثر رات کو صدیق حسن صاحب کے بنگلہ پر آتا تھا۔ مگر ان کی شرافت کا خیال کرکے کبھی ان پر گولی نہیں چلائی۔

سید صدیق حسن صاحب کی وہ کیا بات تھی جس کی وجہ سے ایک ڈاکو بھی ان کی تعریف اور عزت کرتا تھا۔ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے جو خود سکھوا ڈاکو نے بتایا۔ اس نے کہا کہ ایک بار پولس والے اس کو گرفتار کرکے سید صدیق حسن صاحب کے بنگلہ پر لائے۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ سکھوا نے صدیق حسن صاحب سے کہا: "جنٹ صاحب آپ کا سکھوا سردی کھا رہا ہے"۔ یہ سن کر صدیق حسن صاحب فوراً اندر گئے۔ اپنی نئی ریشمی قمیص اور کمبل لائے اور اس کو ڈاکو کے حوالے کرتے ہوئے کہا: "لو اس کو استعمال کرو۔ یہ تمھارے لئے ہے (۱۷ مئی ۱۹۶۸)

کوئی شخص خواہ کتنا ہی نہتا ہو اس کے پاس ایک ایسا ہتھیار موجود رہتا ہے جس سے وہ اپنے حریف کو جیت سکے۔ یہ اخلاق کا ہتھیار ہے۔ ایک حکیم صاحب تھے۔ وہ شہر میں مطب کرتے تھے اور ہفتہ میں ایک دن اپنے گاؤں آیا کرتے تھے۔ ان سے ان کے گاؤں کے بعض لوگوں کو دشمنی ہوگئی۔ انھوں نے ایک آدمی کو چند سو روپے دئے اور کہا کہ رات کو جب حکیم صاحب واپس آرہے ہوں تو ان کو پکڑ کر مار ڈالو۔ غریب آدمی روپے کے لالچ میں تیار ہوگیا اور گاؤں کے باہر پل کے پاس چھپ کر بیٹھ گیا۔ حکیم صاحب پل کے پاس پہنچے تو وہ جھپٹ کر سامنے آگیا۔ حکیم صاحب اس کو دیکھتے ہی پہچان گئے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ ان کو مار ڈالنا چاہتا ہے تو انھوں نے کہا کہ ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد انھوں نے کہا "کیا تم کو وہ دن یاد نہیں جب تم اپنے چھوٹے بچے کو ٹوکرے میں رکھ کر میرے پاس لائے تھے۔ بیماری نے اس کا برا حال کر دیا تھا اور تمھارے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں تھے۔ میں نے تمھارے لڑکے کا مفت علاج کیا اور وہ اچھا ہوگیا۔ کیا میرے اس احسان کا بدلہ وہی ہے جو تم اب میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو"۔ یہ سنتے ہی آدمی نے اپنی لاٹھی پھینک دی اور حکیم صاحب کے پاؤں پر گر پڑا۔ اس نے کہا: "آپ نے سچ کہا۔ میں روپے کے لالچ میں آپ کو مارنے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔ مگر اب میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ آپ مجھے معاف کر دیں"۔ ایک جانور کو کسی قسم کی اخلاقی دلیل حملہ کرنے سے روک نہیں سکتی۔ مگر انسان کو جیتنے کے لئے ایک اخلاقی دلیل بھی کافی ہے بشرطیکہ وہ حقیقی معنوں میں ایک اخلاقی دلیل ہو نہ کہ محض الفاظ کا ایک مجموعہ۔

آدمی کو ایک ایسی ہستی چاہیے

جو اس کی انا کو توڑ دے

محمد حاجی کٹی حسن (تلچری۔ کیرلا) ایک صوفی قسم کے آدمی ہیں۔ وہ سات زبانیں جانتے ہیں۔ "آپ سات زبانوں میں گفتگو کر سکتے ہیں اور مزید کچھ زبانوں کو سیکھ رہے ہیں" ایک شخص نے ان سے کہا۔ حاجی کٹی حسن نے جواب دیا، "یہ صحیح ہے مگر میں جس زبان کو بولنا سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں وہ صرف محبت کی زبان ہے (سنڈے کلکتہ، ۱۶ اپریل ۱۹۷۸)

محمد حاجی کٹی حسن کی ملاقات محمد علی باکسر سے ہوئی۔ ۱۹۷۳ کی ایک ملاقات میں، جب کہ دونوں سنگاپور میں تھے، محمد علی نے پوچھا: "جنت کہاں ہے" صوفی حسن نے جواب دیا "وہ ہر جگہ ہے" محمد علی نے دوبارہ کہا: "ہماری دنیا تین ابعاد کی دنیا ہے۔ یہاں وہ دکھائی نہیں دیتی۔" صوفی حسن نے کہا:

Then your heaven is in the fourth dimension.

پھر آپ کی جنت چوتھے بُعد میں ہے۔ ہلٹن ہوٹل کی ۳۰ ویں منزل پر دونوں میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ تیسرے دن محمد علی نے اعلان کر دیا کہ "صوفی حسن میرے ریلیجس ایڈوائزر ہیں۔"

محمد علی دنیا بھر میں اپنی انانیت اور گھمنڈ کے لئے مشہور رہے۔ ایسا ایک خود پسند شخص صوفی حسن کا معتقد کس طرح ہو گیا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اخباری رپورٹر نے ایک ایسی بات لکھی ہے جو انسانی نفسیات کے مطالعہ میں مدد دیتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

This and other answers from the spiritual reservoir of India hit the cords of Ali's Hidden Genius. Perhapes, he needed some one to break his ego and for once the world champ was dealt a technical knockout from which he must have emerged a wiser man and, more importantly, a man of peace. Undoubtedly, Ali felt that he was in the presence of a holy

Onlooker (Bombay) April 15, 1978

ہندوستان کی روحانی شخصیت کی طرف سے اس قسم کے جوابات نے محمد علی کے اندرونی تاروں کو چھیڑ دیا۔ شاید انھیں کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ان کی انا کو توڑ دے۔ صوفی حسن سے غالباً ان کو اسی قسم کی ایک ضرب ملی جس نے ان کو سکون سے ہم کنار کیا۔ بلاشبہ محمد علی نے محسوس کیا کہ وہ ایک مقدس انسان کو پا گئے ہیں۔

انسانی فطرت عین اپنی ساخت کے اعتبار سے چاہتی ہے کہ کسی "بڑے" کے آگے جھک جائے۔ انسان کی انانیت حقیقۃً اسی فطرت کی آواز کو چھپانے کی ایک کوشش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب تک اپنے بڑے کو نہ پالے، وہ غیر مطمئن رہتا ہے۔ وہ کائنات میں اپنے کو بے جگہ محسوس کرتا ہے۔ انسان عین اپنی اندرونی آواز کے تحت خدا کا طالب ہے۔ وہ اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے آپ کو خدا کے آگے نہ ڈال دے۔ انسان کی "انا" دراصل انسان کے پاس اس کے خالق کی قیمتی امانت ہے۔ انسان جب تک اس امانت کو اس کے حقیقی مالک کی خدمت میں نذر نہ کر دے، وہ کسی طرح مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ خدا کو نہ پائے تو وہ کسی غیر خدا کو اپنا معبود بنا کر اپنے اس جذبہ کی تسکین حاصل کرے گا۔ چاہے وہ خود اس کی اپنی ذات ہو یا اپنی ذات سے باہر کی کوئی چیز ہو۔

لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں۔ اور ان کا گناہ بہت زیادہ ہے ان کے فائدے سے۔ اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو حاجت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم دھیان کرو دنیا اور آخرت کے معاملات میں۔ اور وہ تم سے یتیموں کی بابت پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ جس میں ان کی بہبود ہو وہ بہتر ہے۔ اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ شامل کر لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ کو معلوم ہے کہ کون خرابی پیدا کرنے والا ہے اور کون درستگی پیدا کرنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا۔ اللہ زبردست ہے، تدبیر والا ہے ۲۰-۲۱۹

چند سوالات کا جواب دیتے ہوئے یہاں کچھ بنیادی اصول بتائے گئے ہیں (۱) کسی چیز کا نقصان اگر اس کے نفع سے زیادہ ہو تو وہ قابل ترک ہے۔ (۲) اپنی واقعی ضرورت سے زیادہ جو مال ہو اس کو اللہ کی راہ میں دے دینا چاہئے۔ (۳) باہمی معاملات میں ان طریقوں سے بچنا جو کسی بگاڑ کا سبب بن سکتے ہوں اور ان طریقوں کو اختیار کرنا جو اصلاح پیدا کرنے والے ہوں۔

شراب پی کر آدمی کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ جوا کھیلنے والے کو کبھی محنت کے بغیر کافی دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ اس اعتبار سے ان چیزوں میں نفع کا پہلو ہے۔ مگر دوسرے اعتبار سے ان کے اندر دینی اور اخلاقی نقصانات ہیں اور یہ نقصانات ان کے نفع سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے ان سے منع کر دیا گیا۔ کسی چیز کو لینے یا نہ لینے کا یہی معیار زندگی کے دوسرے امور کے لئے بھی ہے۔ مثلاً وہ تمام سیاسی اور غیر سیاسی سرگرمیاں، وہ تمام تقریبات اور جلسے قابل ترک ہیں جن کے بارے میں دینی اور اقتصادی جائزہ بتائے کہ ان میں نفع کم ہے اور نقصان زیادہ۔

مسلمان وہ ہے جو آخرت کو اپنی منزل بنائے، جو اس تڑپ کے ساتھ اپنی صبح و شام کر رہا ہو کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو جائے۔ ایسے شخص کے لئے دنیا کا ساز و سامان زندگی کی ضرورت ہے نہ کہ زندگی کا مقصد۔ وہ مال حاصل کرتا ہے، وہ دنیا کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس کے لئے حاجت اور ضرورت کے درجہ میں ہوتا ہے نہ کہ مقصد کے درجہ میں۔ اس کے اثاثہ کی جو چیز اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ ہو، اس کا بہترین مصرف اس کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو اپنے رب کی راہ میں دے دے، تاکہ وہ اس سے راضی ہو اور اس کو اپنی رحمتوں کے سایہ میں جگہ دے۔ اس کی ہر چیز بقدر حاجت اپنے لئے ہوتی ہے اور حاجت سے جو زیادہ ہو وہ دین کے لئے۔

باہمی معاملات اور کاروبار کے اکثر مسائل اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ان کے بارے میں صرف بنیادی ہدایات دی جا سکتی ہیں، ان کی تمام عملی تفصیلات کو قانون کے الفاظ میں متعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں یہ اصول مقرر کر دیا گیا کہ اپنی نیت کو درست رکھو اور جو کارروائی کرو یہ سوچ کر کرو کہ وہ کسی بگاڑ کا سبب نہ بنے بلکہ صاحب معاملہ کے حق میں بہتری پیدا کرنے والی ہو۔ اگر تم دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے ہوئے اس کے مصالح کی پوری رعایت رکھو گے اور تمہارا مقصود صرف اصلاح و درستگی ہوگا تو اللہ کے یہاں تمہاری پکڑ نہیں۔

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور مومن کنیز بہتر ہے ایک مشرک عورت سے، اگرچہ وہ تم کو اچھی معلوم ہو۔ اور اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں، مومن غلام بہتر ہے ایک آزاد مشرک سے، اگرچہ وہ تم کو اچھا معلوم ہو۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ وہ اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ اور وہ تم سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ ایک گندگی ہے، اس میں عورتوں سے الگ رہو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو اس طریقہ سے ان کے پاس جاؤ جس کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور وہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو۔ تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں۔ پس اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تمھیں ضرور اس سے ملنا ہے۔ اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دو ۲۲۳ - ۲۲۱

مرد اور عورت جب نکاح کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھی بنتے ہیں تو اس کا اصل مقصد شہوت رانی نہیں ہوتا بلکہ یہ اسی قسم کا ایک بامقصد تعلق ہے جو کسان اور کھیت کے درمیان ہوتا ہے۔ اس میں آدمی کو اتنا ہی سنجیدہ ہونا چاہئے جتنا کھیتی کا منصوبہ بنانے والا سنجیدہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

ایک یہ کہ جوڑے کے انتخاب میں سب سے زیادہ جس چیز کو دیکھا جائے وہ ایمان ہے۔ میاں بیوی کا تعلق بے حد نازک تعلق ہے۔ اس کے بہت سے نفسیاتی، خاندانی اور سماجی پہلو ہیں۔ اس قسم کا تعلق دو شخصوں کے درمیان اگر اعتقادی موافقت کے بغیر ہو تو بالآخر وہ دونوں سے کسی ایک کی بربادی کا باعث ہوگا۔ ایک مومن اپنے غیر مومن جوڑے سے اعتقادی مصالحت کرلے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دین کو برباد کرلیا۔ اور اگر وہ مصالحت نہ کرے تو اس کے بعد دونوں میں جو کش مکش ہوگی اس کے نتیجہ میں اس کا گھر برباد ہو جائے گا۔ دوسری چیز یہ کہ دو صنفوں کا یہ تعلق خدا کی بنا وٹ کے مطابق اپنے فطری ڈھنگ پر قائم ہو۔ فطرت بھی خدا کا حکم ہے۔ قرآن کے ملفوظ احکام کی پابندی جس طرح ضروری ہے اسی طرح اس فطری نظام کی پابندی بھی ضروری ہے جو خدا نے تخلیقی طور پر ہمارے لئے بنا دیا ہے۔ تیسری چیز یہ کہ ہر مرحلہ میں آدمی کے اوپر اللہ کا خوف غالب رہے۔ وہ جو بھی رویہ اختیار کرے یہ سوچ کر کرے کہ بالآخر اس کو رب العالمین کے یہاں جانا ہے جو کھلے اور چھپے ہر چیز سے باخبر ہے ——— "اور اپنے لئے آگے بھیجو" کا مطلب یہ ہے کہ اپنی آخرت کے لئے عمل صالح بھیجو۔ یعنی جو کچھ کرو یہ سمجھ کر کرو کہ تمھارا کوئی کام صرف دنیوی کام نہیں ہے بلکہ ہر کام کا ایک اخروی پہلو ہے۔ مرنے کے بعد تم اپنے اس اخروی پہلو سے دوچار ہونے والے ہو۔ تم کو اس معاملہ میں حد درجہ ہوشیار رہنا چاہئے کہ تمھارا عمل آخرت کے پیمانہ میں صالح عمل قرار پائے نہ کہ غیر صالح عمل۔

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم بھلائی نہ کرو اور پرہیز گاری نہ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کرو۔ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اللہ تمھاری بے ارادہ قسموں پر تم کو نہیں پکڑتا مگر وہ اس کام پر پکڑتا ہے جو تمھارے دل کرتے ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا، تحمل والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھائیں ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ معاف کردینے والا، مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ کریں تو یقیناً اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے پیدا کیا ہے ان کے پیٹ میں۔ اور اس دوران میں ان کے شوہر ان کو پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اگر وہ صلح کرنا چاہیں۔ اور ان عورتوں کے لئے دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح دستور کے مطابق ان پر ذمہ داریاں ہیں۔ اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ زبردست ہے، تدبیر والا ہے ۲۸-۲۲۴

ضد اور غصہ میں کبھی ایک آدمی قسم کھالیتا ہے کہ میں فلاں آدمی کے ساتھ کوئی نیک سلوک نہیں کروں گا۔ قدیم زمانہ میں عربوں میں اس طرح کی قسموں کا بہت رواج تھا۔ وہ ایک بھلائی کا کام یا ایک اصلاح کا کام نہ کرنے کی قسم کھالیتے اور جب ان کو اس نوعیت کے کام کے لئے پکارا جاتا تو کہہ دیتے کہ ہم تو اس کو نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ یہ کہنا کہ میں بھلائی کا کام نہ کروں گا، یوں بھی ایک غلط بات ہے اور اس کو خدا کے نام کی قسم کھا کر کہنا اور بھی زیادہ برا ہے۔ کیوں کہ خدا تو وہ ہستی ہے جو سراپا رحمت اور خیر ہے۔ پھر ایسے خدا کا نام لے کر اپنے کو رحمت اور خیر کے کاموں سے الگ کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے ـــــ بگاڑ ہر حال میں برا ہے۔ لیکن اگر بگاڑ کو خدا یا اس کے دین کا نام لے کر کیا جائے تو اس کی برائی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

بعض لوگ قسم کو تکیہ کلام بنا لیتے ہیں اور غیر ارادی طور پر قسم کے الفاظ بولتے رہتے ہیں۔ یہ ایک لغو بات ہے اور ہر آدمی کو اس سے بچنا چاہئے۔ تاہم میاں بیوی کے تعلق کی نزاکت کی وجہ سے اس طرح کے معاملات میں ایسی قسم کو قانونی طور پر غیر موثر قرار دیا گیا۔ البتہ وہ کلام جو آدمی سوچ سمجھ کر منھ سے نکالے اور جس کے ساتھ قلبی ارادہ شامل ہو جائے، اس کی نوعیت بالکل دوسری ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص ارادۃً یہ قسم کھائے کہ میں اپنی عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو اس کو قابل لحاظ قرار دے کر اس کو ایک قانونی مسئلہ بنا دیا گیا اور اس کے احکام مقرر کئے گئے۔

خاندانی نظام میں، خواہ مرد ہو یا عورت، ہر ایک کے حقوق بھی ہیں اور ہر ایک کی ذمہ داریاں بھی۔ ہر فرد کو چاہئے کہ دوسرے سے اپنا حق لینے کے ساتھ دوسرے کو اس کا حق بھی پوری طرح ادا کرے۔ کوئی شخص اتفاقی حالات یا اپنی فطری بالادستی سے فائدہ اٹھا کر اگر دوسرے کے ساتھ ناانصافی کرے گا تو وہ خدا کی پکڑ سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔

طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو قاعدہ کے مطابق رکھ لینا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دینا۔ اور تمھارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ تم نے جو کچھ ان عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو مگر یہ کہ دونوں کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدوں پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ پھر اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ دونوں اللہ کی حدوں پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر گناہ نہیں اس مال میں جس کو عورت فدیہ میں دے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے باہر نہ نکلو اور جو شخص اللہ کی حدوں سے نکل جائے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو طلاق دیدے تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ مرد اس کو طلاق دیدے تب گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر مل جائیں بشرطیکہ انھیں اللہ کی حدوں پر قائم رہنے کی توقع ہو۔ یہ خداوندی ضابطے ہیں جن کو وہ بیان کر رہا ہے ان لوگوں کے لئے جو دانش مند ہیں۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت تک پہنچ جائیں تو ان کو یا قاعدہ کے مطابق رکھ لو یا قاعدہ کے مطابق رخصت کر دو۔ اور تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روکو تاکہ ان پر زیادتی کرو۔ اور جو ایسا کرے گا اس نے اپنا ہی برا کیا۔ اور اللہ کی آیتوں کو کھیل نہ بناؤ۔ اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور اس کتاب و حکمت کو جو اس نے تمھاری نصیحت کے لئے اتاری ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۲۲۹ - ۲۳۱

طلاق ایک غیر معمولی واقعہ ہے جو غیر معمولی حالات میں پیش آتا ہے۔ مگر اس انتہائی جذباتی معاملہ میں بھی تقویٰ اور احسان پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں مومن سے کس قسم کا سلوک اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

نکاح کے رشتہ کو یکبارگی توڑنے کے بجائے اس کو تین مرحلوں میں انجام دینے کا حکم ہوا جو چند ماہ میں اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ایک انتہائی ہیجانی معاملہ میں اس قسم کا سنجیدہ طریقہ مقرر کر کے بتایا گیا کہ اختلاف کے وقت مومن کا رویہ کیسا ہونا چاہئے۔ اپنے مخالف فریق کے ساتھ اس کا سلوک غیر جذباتی انداز میں سوچا ہوا صابرانہ فیصلہ ہو نہ کہ اشتعال کے تحت ظاہر ہونے والا اچانک فیصلہ۔ اسی طرح طلاق کے جتنے آداب مقرر کئے گئے ہیں، سب میں زندگی کا بہت گہرا سبق موجود ہے ——— علیحدگی کا ارادہ کرنے کے بعد بھی آدمی ایک مدت تک دوبارہ اتحاد کے امکان پر غور کرتا رہے۔ تعلقات کے خاتمہ کی نوبت آجائے تب بھی وہ اس کو حقوق انسانیت کے خاتمہ کے ہم معنی نہ بنائے۔ باہمی سلوک کے لئے اللہ کا جو قانون ہے اس کی مکمل پابندی کی جائے۔ شریعت کے کسی حکم کو قانونی حیلوں کے ذریعہ کالعدم نہ کیا جائے۔ قانون کی تعمیل میں صرف الفاظ قانون کو نہ دیکھا جائے بلکہ اس کی حکمت (روح قانون) کو بھی سامنے رکھا جائے۔ علیحدگی سے پہلے اپنے سابقہ ساتھی کو جو کچھ دیا تھا اس کو علیحدگی کے بعد واپس لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ جس طرح تعلقات کے زمانہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ گزارا تھا اسی طرح علیحدگی کے زمانہ کو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ گزارا جائے۔

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں۔ جب کہ وہ دستور کے موافق آپس میں راضی ہو جائیں۔ یہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں ان لوگوں کے لئے جو پوری مدت تک دودھ پلانا چاہتے ہوں۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق۔ کسی کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق۔ نہ کسی ماں کو اس کے بچہ کے سبب سے تکلیف دی جائے۔ اور نہ کسی باپ کو اس کے بچہ کے سبب سے۔ اور یہی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلواؤ تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم قاعدہ کے مطابق وہ ادا کردو جو تم نے ان کو دینا ٹھہرایا تھا۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ۲۳۳-۲۳۲

ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور زمانہ عدت میں رجعت نہ کی۔ جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ پہلے شوہر نے بھی نکاح کا پیغام دیا۔ عورت نے اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا منظور کر لیا مگر عورت کا بھائی غصہ میں آگیا اور نکاح کو روک دیا۔ اس پر یہ حکم اترا کہ جب دونوں دوبارہ ازدواجی تعلق قائم کرنے پر راضی ہیں تو تم رکاوٹ نہ ڈالو۔

طلاق کے بعد بھی اکثر بہت سے مسائل باقی رہتے ہیں۔ کبھی پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کا معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی مطلقہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ایسے مواقع پر مشکلات پیدا کرنا درست نہیں۔ کبھی مطلقہ عورت بچے والی ہوتی ہے اور سابقہ شوہر کے بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک دوسرے کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ معاملہ کو جذبات کا سوال نہ بناؤ، اس کو باہمی مشورہ اور رضامندی سے طے کرلو ——— اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اختلاف اور علحدگی کے وقت معاملہ کو نمٹانے کا مومنانہ طریقہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ طرفین کی جانب جو مسائل باقی رہ گئے ہوں ان کو ایک دوسرے کو پریشان کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ ان کو ایسے ڈھنگ سے طے کیا جائے جو دونوں جانب کے لئے بہتر اور قابل قبول ہو۔ ایمان روح کی پاکیزگی ہے پھر جس کی روح پاک ہو چکی ہو وہ اپنے معاملات میں ناپاکی کا طریقہ کیسے اختیار کرسکتا ہے۔

نصیحت کسی کے لئے صرف اس بنا پر قابل قبول نہیں ہو جاتی کہ وہ برحق ہے۔ ضروری ہے کہ سننے والا اللہ پر یقین رکھتا ہو اور اس کی پکڑ سے ڈرنے والا ہو۔ وہ سمجھے کہ نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو رد کرنے کے لئے آج اگر میں نے کچھ الفاظ پالئے تو اس سے اصل مسئلہ ختم نہیں ہو جاتا۔ کیوں کہ معاملہ بالآخر اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور وہاں کسی قسم کا زور اور کوئی لفظی حجت کام آنے والی نہیں۔

اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک انتظار میں رکھیں۔ پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو جو کچھ وہ اپنی ذات کے بارے میں قاعدہ کے موافق کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اللہ تمھارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور تمھارے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو پیغام دینے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں چھپائے رکھو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ضرور ان کا دھیان کرو گے۔ مگر چھپ کر ان سے وعدہ نہ کرو، تم ان سے صرف دستور کے مطابق کوئی بات کہہ سکتے ہو۔ اور عقد نکاح کا ارادہ اس وقت تک نہ کرو جب تک مقررہ مدت اپنی ختم کو نہ پہنچ جائے۔ اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔ پس اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا، تحمل والا ہے۔ اگر تم عورتوں کو ایسی حالت میں طلاق دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے تو ان کے مہر کا تم پر کچھ مواخذہ نہیں۔ البتہ ان کو دستور کے مطابق کچھ سامان دے دو، وسعت والے پر اپنی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگی والے پر اپنی حیثیت کے مطابق، یہ نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔ اور اگر تم ان کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور تم ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا آدھا ادا کر دو۔ اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ مرد معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ اور تمھارا معاف کر دینا زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ۲۳۴-۳۷

نکاح اور طلاق کے قوانین بیان کرتے ہوئے بار بار تقویٰ اور احسان کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی حکم کو اس کی اصلی روح کے ساتھ زیر عمل لانے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرہ کے افراد خالص قانونی معاملہ کرنے والے نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا جذبہ رکھتے ہوں۔ اسی کے ساتھ ان کو یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ دوسرے کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرنا خود اپنے بارے میں بہتر سلوک نہ کئے جانے کا خطرہ مول لینا ہے۔ کیوں کہ بالآخر سارا معاملہ خدا کے یہاں پیش ہونا ہے اور وہاں نہ لفظی تاویلیں کسی کے کام آئیں گی اور نہ کسی کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ معاملہ سے متعلق کسی بات کو چھپا سکے۔

اگر نکاح کے وقت عورت کا مہر مقرر ہوا اور تعلق قائم ہونے سے پہلے طلاق ہو گئی تو باعتبار قانون آدھا مہر دینا لازم کیا گیا ہے۔ مگر خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ دونوں اس معاملہ میں قانونی برتاؤ کے بجائے فیاضانہ برتاؤ کرنا چاہیں۔ عورت کے اندر یہ مزاج ہو کہ جب تعلق قائم نہیں ہوا تو میں آدھا مہر بھی چھوڑ دوں۔ مرد کے اندر یہ جذبہ ابھرے کہ اگرچہ قانوناً میرے اوپر صرف آدھے کی ذمہ داری ہے مگر فیاضی کا تقاضا ہے کہ میں پورا کا پورا ادا کر دوں — فیاضی اور وسعت ظرف کا یہی مزاج تمام معاملات میں مطلوب ہے۔ وہی معاشرہ مسلم معاشرہ ہے جس کے افراد کا یہ حال ہو کہ ہر ایک دوسرے کو دینا چاہے نہ یہ کہ ہر ایک دوسرے سے لینے کا حریص بنا ہوا ہو۔ مزید یہ کہ وسعت ظرف کا یہ معاملہ دشمنی کے وقت بھی ہو نہ کہ صرف دوستی کے وقت

پابندی کرو نمازوں کی اور پابندی کرو بیچ کی نماز کی۔ اور کھڑے ہو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔ اگر تم کو اندیشہ ہو تو پیدل یا سواری پر پڑھ لو۔ پھر جب حالت امن آ جائے تو اللہ کو اس طریقہ پر یاد کرو جو اس نے تم کو سکھایا ہے، جس کو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ رہے ہوں وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر دیں کہ ایک سال تک ان کو گھر میں رکھا کر خرچ دیا جائے۔ پھر اگر وہ خود سے گھر چھوڑ دیں تو جو کچھ وہ اپنی ذات کے معاملہ میں دستور کے مطابق کریں اس کا تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو بھی دستور کے مطابق خرچ دینا ہے، یہ لازم ہے پرہیزگاروں کے لئے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ۲۳۲ - ۲۴۲

نماز گویا دین کا خلاصہ ہے۔ نماز مومنانہ زندگی کی وہ مختصر تصویر ہے جو پھیلتی ہے تو مکمل اسلامی زندگی بن جاتی ہے۔ یہاں ایک مختصر فقرہ میں نماز کے تین اہم ترین اجزاء کو بیان کر دیا گیا ہے (۱) نماز کا پانچ وقت کے لئے فرض ہونا (۲) نماز کا ایک قابل اہتمام چیز ہونا (۳) یہ بات کہ نماز کی اصل حقیقت عجز ہے۔

"پابندی کرو نمازوں کی اور پابندی کرو بیچ کی نماز کی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں میں ایک بیچ کی نماز ہے اور پھر اس کے دونوں طرف نمازیں ہیں۔ اس جملہ میں اطراف کی "نمازوں" سے کم از کم چار کا عدد مراد لینا ضروری ہے کیوں کہ عربی زبان میں صلوات (نمازوں) کا اطلاق تین یا اس سے زیادہ کے عدد کے لئے ہوتا ہے۔ پہلا ممکن عدد جس میں "نمازوں" کے درمیان ایک "بیچ کی نماز" بن سکے چار ہی ہے۔ اس طرح ایک نماز بیچ کی نماز ہو کر اس کے دونوں طرف دو دو نمازیں ہو جاتی ہیں۔ "بیچ کی نماز" سے مراد عصر کی نماز ہے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔ نماز کے دوسرے پہلو کو بتانے کے لئے "محافظت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ گویا نماز اسی طرح حفاظت کی ایک چیز ہے جس طرح مال آدمی کے لئے حفاظت کی چیز ہوتا ہے۔ نماز کے اوقات کا پورا لحاظ، اس کو بتائے ہوئے طریقہ پر ادا کرنے کا اہتمام، ایسی چیزوں سے بالقصد پرہیز جو آدمی کی نماز میں کوئی خرابی پیدا کرنے والی ہوں وغیرہ، محافظت نماز میں شامل ہیں۔ نماز کا تیسرا پہلو عجز ہے۔ یہ نماز کی اصل روح ہے، نماز بندے کا اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نماز کے وقت آدمی کے اوپر وہ کیفیت طاری ہو جو سب سے بڑے کے آگے کھڑے ہونے کی صورت میں سب سے چھوٹے کے اوپر طاری ہوتی ہے۔

معاشرت کے احکام بتاتے ہوئے یہ کہنا کہ "یہ حق ہے متقیوں کے اوپر" شریعت کے ایک اہم پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔ باہمی معاملات میں کچھ حقوق وہ ہیں جن کو قانون نے متعین کر دیا ہے۔ مگر ایک آدمی پر دوسرے کے حقوق کی حدیں یہیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ متعین حقوق کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ یہ حقوق وہ ہیں جن کو آدمی کا تقویٰ اس کو محسوس کراتا ہے۔ اور آدمی کا متقیانہ احساس جتنا شدید ہو اتنا ہی زیادہ وہ اس کو اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے۔ اندر کا یہ زور اگر موجود نہ ہو تو آدمی کبھی صحیح طور پر دوسروں کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے بھاگ کھڑے ہوئے موت کے ڈر سے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ تو اللہ نے ان سے کہا کہ مرجاؤ۔ پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا۔ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے کہ اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے۔ اور اللہ ہی تنگی بھی پیدا کرتا ہے اور کشادگی بھی۔ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے ۲۴۳ - ۴۵

مکہ سے تنگ آکر مسلمان مدینہ چلے آئے۔ مدینہ میں اپنے دین کے مطابق رہنے کے لئے نسبتاً آزادانہ ماحول تھا۔ مگر مخالفین اسلام نے اب بھی ان کو نہ چھوڑا۔ انھوں نے فوجی حملے شروع کر دئے تاکہ مدینہ سے مسلمانوں کا خاتمہ کردیں۔ اس وقت حکم ہوا کہ ان سے مقابلہ کرو۔ مخالفین کی نسبت سے اس وقت مسلمانوں کی طاقت بہت کم تھی۔ اس لئے کچھ لوگوں کے اندر بے ہمتی پیدا ہوئی۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک واقعہ یاد دلا کر بتایا گیا کہ زندگی کے معرکہ میں شکست سے ڈرنے ہی کا نام شکست ہے۔

بنی اسرائیل کی ایک پڑوسی قوم فلستی نے ان پر حملہ کر دیا۔ بنی اسرائیل شکست کھا گئے۔ فلستیوں نے دو حملوں میں ان کے ۳۴ ہزار آدمی مار ڈالے۔ بنی اسرائیل اتنا ڈرے کہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بائبل کے الفاظ میں "حشمت بنی اسرائیل سے جاتی رہی" بنی اسرائیل کا سارا گھرانا خوف میں مبتلا ہو کر نوحہ و فریاد کرنے لگا۔ اسی حال میں ان کو ۲۰ سال گزر گئے۔ پھر انھوں نے سوچا کہ فلستیوں کے سامنے ان کو شکست کیوں ہوئی۔ ان کے نبی سموئیل نے کہا کہ شکست کی وجہ خدا میں تمھارے یقین کا کمزور ہوجانا ہے۔ انھوں نے اسرائیل کے سارے گھرانے سے کہا کہ اگر تم اپنے سارے دل سے خداوند کی طرف رجوع لاتے ہو تو اجنبی دیوتاؤں کو اپنے بیچ سے دور کر دو اور خداوند کے لئے اپنے دلوں کو مستعد کر کے فقط اسی کی عبادت کرو۔ خدا فلستیوں کے ہاتھ سے تم کو رہائی دے گا۔ تب اسرائیل نے اجنبی دیوتاؤں کو اپنے سے دور کیا اور فقط خداوند کی عبادت کرنے لگے۔ اب جب دوبارہ فلستیوں اور اسرائیلیوں میں جنگ ہوئی تو بائبل کے الفاظ میں "خداوند فلستیوں کے اوپر اس دن بڑی کڑک کے ساتھ گرجا اور ان کو گھبرا دیا۔ اور انھوں نے اسرائیلیوں کے آگے شکست کھائی (۱۔ سموئیل ۷) اللہ پر اعتماد کے راستہ کو چھوڑ کر ان پر قومی موت واقع ہوئی تھی، اللہ پر اعتماد کے راستہ کو اختیار کرنے کے بعد ان کو قومی زندگی حاصل ہوگئی۔

قرض حسن کے معنی ہیں اچھا قرض۔ یہاں اس سے مراد وہ انفاق ہے جو خدا کے دین کی راہ میں کیا جائے۔ یہ انفاق خالص اللہ کے لئے ہوتا ہے جس میں کوئی دوسرا مفاد شامل نہیں ہوتا، اس لئے خدا نے اس کو اپنے ذمے قرض قرار دیا۔ اور چوں کہ وہ بہت زیادہ اضافہ کے ساتھ اس کو لوٹائے گا اس لئے اس کو قرض حسن فرمایا۔

مومن کی راہ میں مشکلات کا پیش آنا کوئی محرومی کی بات نہیں۔ یہ اللہ کے فضل کا نیا دروازہ کھلنا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے جان و مال کو اللہ کے لئے خرچ کر کے اللہ کی ان عنایتوں کا مستحق بنتا ہے جو عام حالات میں کسی کو نہیں ملتیں۔

کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا موسیٰ کے بعد، جب کہ انھوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ نبی نے جواب دیا: ایسا نہ ہو کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے تب تم نہ لڑو۔ انھوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں۔ حالاں کہ ہم کو اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے اور اپنے بچوں سے جدا کیا گیا ہے۔ پھر جب ان کو لڑائی کا حکم ہوا تو تھوڑے لوگوں کے سوا سب پھر گئے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا: اللہ نے طالوت کو تمھارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس کو ہمارے اوپر بادشاہی کیسے مل سکتی ہے حالاں کہ اس کے مقابلہ میں ہم بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اس کو زیادہ دولت بھی حاصل نہیں۔ نبی نے کہا اللہ نے تمھارے مقابلہ میں اس کو چنا ہے اور علم اور جسم میں اس کو زیادتی دی ہے۔ اور اللہ اپنی سلطنت جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، جاننے والا ہے۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے لئے تسکین ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے۔ اس میں تمھارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو ۲۴۸ - ۲۴۶

حضرت موسیٰؑ کے تقریباً تین سو سال بعد بنی اسرائیل اپنے پڑوس کی مشرک قوموں سے مغلوب ہو گئے۔ اسی حال میں تقریباً چوتھائی صدی گزارنے کے بعد ان کو احساس ہوا کہ وہ اپنے پچھلے دور کو واپس لائیں۔ اب اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لئے ان کو ایک امیر لشکر کی ضرورت تھی۔ ان کے نبی سموئیل (۱۰۳۰ - ۱۱۰۰ ق م) نے ان کے لئے ایک شخص کا تقرر کیا جس کا نام قرآن میں طالوت اور بائبل میں ساؤل آیا ہے۔ ذاتی اوصاف کے اعتبار سے وہ ایک موزوں شخص تھا۔ مگر بنی اسرائیل اس کی سرداری قبول کرنے کے بجائے اس قسم کے اعتراضات نکالنے لگے کہ وہ تو چھوٹے خاندان کا آدمی ہے۔ اس کے پاس مال و دولت نہیں۔ مگر اس طرح کی اختلافی بحثیں کسی قوم کے زوال یافتہ ہونے کی علامت ہیں۔ اللہ کے فیصلے وسعت اور علم کی بنا پر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہی بندہ اللہ کا محبوب بندہ ہے جو خود بھی وسیع النظری کا طریقہ اختیار کرے اور جو فیصلہ کرے، حقائق کی بنیاد پر کرے نہ کہ تعصبات اور مصلحتوں کی بنیاد پر۔ تاہم صندوق کو واپس لا کر اللہ نے طالوت کے تقرر کی ایک غیر معمولی تصدیق بھی فرما دی۔

بنی اسرائیل کے یہاں ایک مقدس صندوق تھا جو مصر سے خروج کے زمانہ سے ان کے یہاں چلا آرہا تھا۔ اس میں تورات کی تختیاں اور دوسری متبرک چیزیں تھیں۔ بنی اسرائیل اس کو اپنے لئے فتح و کامیابی کا نشان سمجھتے تھے۔ فلستی اس صندوق کو ان سے چھین کر اٹھا لے گئے تھے۔ مگر اس کو انھوں نے جس جس بستی میں رکھا وہاں وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں۔ اس سے انھوں نے برا شگون لیا اور صندوق کو ایک بیل گاڑی پر رکھ کر ہانک دیا۔ وہ اس کو لے کر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ یہودیوں کی آبادی میں پہنچ گئے ——— اللہ اپنے کسی بندے کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے کبھی اس کے گرد ایسی غیر معمولی چیزیں جمع کر دیتا ہے جو عام انسانوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلا تو اس نے کہا: اللہ تم کو ایک ندی کے ذریعہ آزمانے والا ہے۔ پس جس نے اس کا پانی پیا وہ میرا ساتھی نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا وہ میرا ساتھی ہے۔ مگر یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرلے۔ تو انھوں نے اس میں سے خوب پیا بجز تھوڑے آدمیوں کے۔ پھر جب طالوت اور جو اس کے ساتھ ایمان پر قائم رہے تھے دریا پار کر چکے تو وہ لوگ بولے کہ آج ہم کو جالوت اور اس کی فوجوں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یہ جانتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں انھوں نے کہا کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب جالوت اور اس کی فوجوں سے ان کا سامنا ہوا تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو جمادے اور ان کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔ پھر انھوں نے اللہ کے حکم سے ان کو شکست دی۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اور اللہ نے داؤد کو بادشاہت اور دانائی عطا کی اور جن چیزوں کا چاہا علم بخشا۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے دفع نہ کرتا رہے تو زمین فساد سے بھر جائے۔ مگر اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے ۲۴۹ - ۵۱

مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ افراد کے اندر مشکلات پر جمنے اور سردار کی اطاعت کرنے کا مادہ ہو۔ طالوت کا اپنے ساتھیوں کو پانی پینے سے منع کرنا اسی استعداد کی جانچ کی ایک سادہ سی تدبیر تھی۔ بائبل کے بیان کے مطابق ان میں سے صرف ۳۰۰ آدمی ایسے نکلے جنھوں نے راستہ میں آنے والے دریا کا پانی نہیں پیا۔ جن لوگوں نے پانی پیا انھوں نے گویا اپنی اخلاقی کمزوریوں کو اور پختہ کر لیا۔ اس لئے دشمن کا بظاہر طاقت ور ہونا اب ان کو اور زیادہ محسوس ہونے لگا۔ دوسری طرف جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا ان کے اس فعل سے ان کا صبر اور اطاعت کا مزاج اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ ان کو وہ حقیقت اور زیادہ واضح صورت میں دکھائی دینے لگی جس کو بائبل کے بیان کے مطابق طالوت کے ایک ساتھی نے ان لفظوں میں بیان کیا تھا: اور یہ ساری جماعت جان لے کہ خداوند تلوار اور بھالے کے ذریعہ سے نہیں بچاتا۔ اس لئے کہ جنگ تو خداوند کی ہے اور وہی تم کو ہمارے ہاتھ میں کر دے گا (۱۔ سموئیل ۱۷ : ۴۸)

اقتدار جس کے پاس ہو وہ کچھ دنوں بعد گھمنڈ میں پڑ کر ظلم کرنے لگتا ہے۔ اس لئے اقتدار اگر کسی کے پاس مستقل طور پر جمع ہو جائے تو اس کے ظلم و فساد سے زمین بھر جائے۔ اس کی تلافی کا انتظام اللہ نے اس طرح کیا ہے کہ وہ صاحبان اقتدار کو بدلتا رہتا ہے۔ وہ بے اقتدار لوگوں میں سے ایک گروہ کو اٹھاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے صاحب اقتدار کو ہٹا کر اس کے منصب پر دوسرے کو بٹھا دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی برسر اقتدار جماعت کا ظلم بڑھ جائے تو یہ اس کے خلاف اٹھنے والے گروہ کے لئے خدائی مدد کا وقت ہوتا ہے۔ اگر وہ صبر اور اطاعت کی شرط کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ کو خدائی منصوبہ میں شامل کر دے تو بظاہر کم ہونے کے باوجود وہ خدا کی مدد سے زیادہ کے اوپر غالب آجائے گا ——— خدا کا خوف محض ایک منفی چیز نہیں وہ ایک علم ہے جو آدمی کے ذہن کو اس طرح روشن کر دیتا ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کے اصلی اور حقیقی روپ میں دیکھ سکے۔

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک۔ اور بے شک تو پیغمبروں میں سے ہے۔ ان پیغمبروں میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام کیا۔ اور بعض کے درجے بلند کئے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں دیں اور ہم نے اس کی مدد کی روح القدس سے۔ اللہ اگر چاہتا تو ان کے بعد والے صاف حکم آجانے کے بعد نہ لڑتے۔ مگر انھوں نے اختلاف کیا۔ پھر ان میں سے کوئی ایمان لایا اور کسی نے انکار کیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے۔ مگر اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے ۲۵۳-۲۵۲

اللہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا جب لوگوں کو پکارتا ہے تو اس کی پکار میں ایسی نشانیاں شامل ہوتی ہیں کہ لوگوں کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس کے باوجود لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں اور یہ انکار کرنے والے سب سے پہلے وہ لوگ ہوتے ہیں جو رسالت کو مانتے چلے آرہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ جس رسول کو مان رہے ہوتے ہیں اس کی بعض خصوصیات کی بنا پر وہ اس کی افضلیت کا تصور قائم کر لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہمارا رسول اتنا افضل ہے اور اس کو ہم مان رہے ہیں تو اب کسی اور کو ماننے کی کیا ضرورت۔

ہر پیغمبر مختلف حالات میں آتا ہے اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے ہر ایک کو الگ الگ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کسی پیغمبر کو ایک فضیلت (خصوصی چیز) دی جاتی ہے اور کسی کو دوسری فضیلت۔ بعد کے دور میں پیغمبر کی یہی فضیلت اس کے امتیوں کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ وہ اپنے نبی کو دی جانے والی فضیلت کو تائیدی فضیلت کے بجائے مطلق فضیلت کے معنی میں لے لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب سے افضل پیغمبر کو مان رہے ہیں۔ اس لئے اب ہمیں کسی اور کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے ماننے والوں نے حضرت مسیح کا انکار کیا۔ کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کا نبی اتنا افضل ہے کہ خدا براہ راست اس سے ہم کلام ہوا۔ حضرت مسیح کے ماننے والوں نے نبی آخر الزماں کا انکار کیا۔ کیونکہ انھوں نے سمجھا کہ وہ ایسی ہستی کو مان رہے ہیں جس کی فضیلت اتنی زیادہ ہے کہ خدا نے اس کو باپ کے بغیر پیدا کیا۔ اسی طرح اللہ کے وہ بندے جو امت محمدی کی اصلاح و تجدید کے لئے اٹھے ان کا بھی لوگوں نے انکار کیا۔ کیوں کہ ان کے مخاطبین کی نفسیات یہ تھی کہ ہم افضل الانبیاء کے وارث ہیں، ہم مکمل سچائی کو پائے ہوئے ہیں۔ پھر ہم کو کسی اور چیز کی کیا ضرورت۔ امتوں کے زوال کے زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ دنیا کے راستہ پر چل پڑتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی جنت بھی محفوظ رہے۔ اس وقت یہ عقیدہ ان کے لئے ایک نفسیاتی سہارا بن جاتا ہے۔ وہ اپنی مقدس شخصیتوں کی افضلیت کے تصور میں یہ تسکین پا لیتے ہیں کہ دنیا میں خواہ وہ کچھ بھی کریں ان کی آخرت کبھی مشتبہ نہیں ہوگی۔

یہی غلط اعتماد ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے کی مخالفت پر جری بناتا ہے۔ اللہ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی دوسرا نظام قائم کرتا جس میں کسی کے لئے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ مگر یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں تو اسی بات کی آزمائش ہو رہی ہے کہ آدمی غیب کی حالت میں خدا کو پائے۔ انسان کی زبان سے بلند ہونے والی خدائی آواز کو پہچانے۔ ظاہری پردوں سے گزر کر سچائی کو اس کے باطنی روپ میں دیکھ لے۔

اے ایمان والو خرچ کرو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ دوستی ہے اور نہ سفارش۔ اور جو منکر ہیں وہی ہیں ظلم کرنے والے۔ اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا۔ اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے۔ اور وہی ہے بلند مرتبہ، بڑا۔ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ پس جو شخص شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا، وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے انکار کیا ان کے دوست شیطان ہیں، وہ ان کو اجالے سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۲۵۴ - ۵۷

خدا کو وہی پاتا ہے جو انفاق کی قیمت دے کر خدا کو اختیار کرے۔ اور کوئی آدمی جب خدا کو پا لیتا ہے تو وہ ایک ایسی روشنی کو پا لیتا ہے جس میں وہ بھٹکے بغیر چلتا رہے۔ یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انفاق کی قیمت دے بغیر خدا کو اختیار کرے وہ ہمیشہ اندھیرے میں رہتا ہے، جہاں شیطان اس کو بہکا کر ایسے راستوں پر چلاتا ہے جس کی آخری منزل جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔

انفاق سے مراد اپنے آپ کو اور اپنے اثاثہ کو دین کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ اپنی مصلحتوں کو قربان کر کے دین کی طرف آگے بڑھنا ہے۔ آدمی جب کسی عقیدہ کو انفاق کی قیمت پر اختیار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو اختیار کرنے میں سنجیدہ (Sincere) ہے۔ یہ سنجیدہ ہونا بے حد اہم ہے۔ کسی معاملہ میں سنجیدہ ہونا ہی وہ چیز ہے جو آدمی پر اس معاملہ کے بھیدوں کو کھولتا ہے۔ سنجیدہ ہونے کے بعد ہی یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اور اس کے مقصد کے درمیان حقیقی تعلق قائم ہو اور مقصد کے تمام پہلو اس پر واضح ہوں۔ اس کے برعکس معاملہ اس شخص کا ہے جو اپنی ہستی کی حوالگی کی قیمت پر دین کو اختیار نہ کرے۔ ایسا شخص کبھی دین کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہوگا اور اس بنا پر وہ آخرت کے معاملہ کو ایک آسان معاملہ فرض کرے گا۔ وہ سمجھے گا کہ بزرگوں کی سفارش یا دین کے نام پر کچھ رسمی اور ظاہری کارروائیاں آخرت کی نجات کے لئے کافی ہیں۔ آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس راز کو نہ سمجھے گا کہ آخرت تو مالکِ کائنات کے عظمت و جلال کے ظہور کا دن ہے۔ ایسے ایک دن کے بارے میں محض سرسری چیزوں پر کامیابی کی امید کر لینا خدا کی خدائی کا کمتر اندازہ کرنا ہے جو خدا کے یہاں آدمی کے جرم کو بڑھانے والا ہے نہ کہ وہ اس کی مقبولیت کا سبب بنے — خدا کی بات آدمی کے سامنے دلیل کی زبان میں آتی ہے اور وہ کچھ الفاظ بول کر اس کو رد کر دیتا ہے۔ یہی شیطانی وسوسہ ہے۔ ہدایت اس کو ملتی ہے جو شیطان کے وسوسہ سے اپنے کو بچائے اور خدائی دلیل کو پہچان کر اس کے آگے جھک جائے۔

خدا پرستی کیا ہے

قرآن میں کہا گیا ہے: "کیا لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی دین چاہتے ہیں۔ حالاں کہ اسی کے فرماں بردار ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اولاد یعقوب، موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں پر ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں باہم فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا۔ (آل عمران ۸۵-۸۳)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں پر ایک ہی دین اتارا گیا۔ اور وہ وہی ہے جو ساری کائنات کا دین ہے۔ یعنی اللہ کے لیے مطیع و مسخر ہو جانا۔ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں ملا دینا۔ خدا کے تخلیقی منصوبہ میں اپنے آپ کو ہمہ تن جوڑ دینا۔ جس شاہراہ اطاعت پر ساری کائنات چل رہی ہے، اسی پر چلنے لگنا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

"وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔ صبر کرنے والے، راستی پر چلنے والے، عاجزی کرنے والے، خرچ کرنے والے اور سحر کے وقت گناہوں کی معافی مانگنے والے اللہ کی گواہی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اور فرشتوں کی اور اہل علم کی۔ وہ عدل سے انتظام کرنے والا، کوئی الٰہ نہیں بجز اس زبردست حکمت والے کے۔ یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور جو اختلاف کیا اس میں اہل کتاب نے، وہ آپس میں ضد کی وجہ سے کیا۔ جب کہ انھیں صحیح علم پہنچ چکا تھا۔ اور جو کوئی اللہ کی نشانیوں سے انکار کرے گا تو اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (آل عمران ۲۰-۱۶)

گویا اللہ کو پانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس کو مدبر کائنات کی حیثیت سے پالے۔ جب آدمی اس حیثیت سے خدا کو پاتا ہے تو اس کو فوراً احساس ہوتا ہے کہ وہ سرتاپا عاجز اور حقیر ہے۔ وہ اللہ کو مدد کے لیے پکارنے لگتا ہے۔ وہ موت کے بعد زندگی کے تسلسل کو دیکھ لیتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ خدایا مجھ کو ابدی ناکامی سے بچا۔ اس کی تنہائیاں خدا کی یاد میں بسر ہونے لگتی ہیں۔ ان احساسات کے قدرتی نتیجہ کے طور پر دنیا میں لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ صبر، سچائی اور فروتنی کا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی چیز کو بھی خدا کی چیز سمجھنے لگتا ہے جس کا عملی اظہار اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

آدمی جب خدا کی عظمتوں کے ساتھ اس کو پالیتا ہے تو اس کا یہ نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ وہ نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ضد، گھمنڈ، خود پرستی جیسے پردے اس کی نگاہوں سے ہٹ جاتے ہیں اس کو صاف نظر آتا ہے کہ اصل دین یہی ہے۔ خدا کی وہ نشانیاں جو دین کی اس حقیقت کو آشکارا کر رہی ہیں، اس کو صاف دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اس کے برعکس جب آدمی خدا پرستی کے بجائے اپنی ذات کی پرستش کی سطح پر ہو تو ضد اور گھمنڈ کا ہالہ اس کو گھیر لیتا ہے۔

کھلی کھلی نشانیاں ظاہر ہونے کے باوجود وہ سچائی کو دیکھ نہیں پاتا۔ وہ اپنے خود ساختہ دین ہی کو اصل دین سمجھتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ اس وقت سے پہلے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے جب کہ خدا خود ظاہر ہو جائے اور آدمی کے لئے جھوٹے سہاروں اور لفظی تاویلوں کی آڑ میں چھپنے کا موقع سرے سے باقی نہ رہے۔

"سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے براہ راست اپنے زیر انتظام کائنات میں جو دین قائم کر رکھا ہے وہی دین انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے اختیار و ارادہ کے تحت اسی آفاقی دین پر قائم ہو جائے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کو جان لینا چاہئے کہ معاملہ بالآخر اسی کے یہاں پیش ہونا ہے جو آج تم سے اطاعت و فرماں برداری کا مطالبہ کر رہا ہے۔ پھر کیا جو خدا وسیع تر کائنات میں یہ نظام قائم کئے ہوئے ہے کہ اس کا کوئی جزء دوسرے اجزاء سے ٹکرائے بغیر اپنا فریضہ ادا کرے۔ وہی خدا انسان سے اس پر راضی ہو جائے گا کہ وہ آپس میں ٹکرائیں اور دوسرے کی بربادی پر اپنی تعمیر کا خواب دیکھیں۔ جو خدا بقیہ کائنات میں خاموش طور پر تمام سرگرمیاں انجام دے رہا ہے وہی خدا انسان کے لئے یہ پسند کرے گا کہ وہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر چیخے اور فضا کو شور و غل سے بھر دے۔ جو خدا اتنا حکمت پسند ہے کہ شیشم اور چنار کے درخت کو سو سال میں مکمل کرتا ہے وہی خدا انسان کے معاملہ میں اس عجوبہ کو دیکھنا پسند کرے گا کہ وہ نعروں اور تقریروں کے کرتب دکھائیں اور صبح و شام میں تعمیر و ترقی کا مینار کھڑا کر دیں۔ خدا کی جس دنیا میں پانی کا دھارا بہنا چاہتا ہے تو زمین اپنے راستے اس کے لئے کھول دیتی ہے۔ اسی دنیا میں خدا انسانوں سے اس بات پر خوش ہو جائے گا کہ وہ دوسرے کا اعتراف نہ کریں اور دوسرے کے فضل و کمال کو ماننے سے انکار کر دیں۔ کائنات کا ایک ذرہ کہیں غلاظت ڈال دے تو کروروں بیکٹیریا وہاں جمع ہو جاتے ہیں تاکہ غلاظت کے کیمیائی اجزاء کو الگ کر کے اس کو دوبارہ کائنات کے صالح اجزاء کا حصہ بنا دیں۔ اسی کائنات میں خدا انسان کو اس بات پر انعام دے گا کہ وہ کسی بھائی کی غلطی کو دیکھے تو اس کو وہ اس لئے پکڑ لے کہ اس کے ذریعہ اس کو ذلیل کرنا ہے، غلطی کی تلافی یا درستگی سے اس کو کوئی دلچسپی نہ ہو۔

قرآن جس نظام آخرت کا لفظی تعارف ہے وہی نظام اللہ تعالیٰ نے انسان کے سوا بقیہ کائنات میں آج بھی قائم کر رکھا ہے۔ یہ خدا کی خدائی کا بہت کمتر اندازہ ہوگا اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ قرآن میں آخرت کی کامیابی اور ناکامی کے جو اصول بتائے گئے ہیں وہ محض ترنم اور خوش الحانی کے لئے ہیں یا کائنات میں اللہ تعالیٰ اپنے جس پسندیدہ نظام کو قائم کئے ہوئے ہے۔ اس کے سوا بھی کسی چیز پر وہ انسان سے راضی ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرآن میں وہ بندوں کو عدل پر قائم ہونے کا حکم دے۔ ساری کائنات کو حد درجہ عدل پر چلا رہا ہو۔ مگر جب فیصلہ کا دن آئے تو وہ غیر عادلانہ بنیادوں پر لوگوں کے لئے جنت اور جہنم کا فیصلہ کر دے۔ اللہ نے اپنی کتاب کو نہ تو بطور شاعری کے اتارا ہے اور نہ کائنات کو بطور کھیل کے پیدا کر دیا ہے۔ اللہ سراپا خیر اور عدل ہے اور اس کا فیصلہ جو انسانوں کے لئے ظاہر ہوگا وہ بھی سراپا خیر اور عدل ہوگا۔ اس کے سوا کوئی اور امید قائم کرنا ایک ایسی بے بنیاد خوش گمانی ہے جو زمین و آسمان میں کہیں اپنے لئے جگہ نہیں پا سکتی۔

بگاڑ کیسے آتا ہے

یہود کی گمراہی کیا تھی جس کی وجہ سے وہ خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے، وہ یہ نہ تھی کہ انھوں نے دین کا نام لینا یا دینی مراسم پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ظاہری دین داری ان کے یہاں بڑے پیمانہ پر جاری تھی۔ ان کی گمراہی قرآن کے الفاظ میں یہ تھی کہ انھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی (بقرہ ۸۶) ان کے یہاں خدا کے نبیوں کا چرچا تھا اور خدا کے دین کے نام پر ہنگامے جاری تھے۔ مگر یہ سب کچھ آخرت کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے تھا۔ وہ چیز جس کو دے کر آخرت ملتی ہے، اس کو انھوں نے دنیا حاصل کرنے کا سستا سودا بنا لیا تھا۔ وہ دین کے نمائشی کاموں کا مظاہرہ کرتے تھے مگر اپنی حقیقی عملی زندگی میں دنیا کو ترجیح دے ہوئے تھے۔

یہود کی قدیم مذہبی کتابوں میں ان کی جو تصویر ملتی ہے وہ اس قرآنی بیان کی پوری تفسیر ہے۔ تورات میں یہود کی قومی ترقی یا ان کی قومی تباہی تفصیل سے ملے گی۔ مگر پوری کتاب پڑھ جائیے اور آپ کو کہیں آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا ذکر نہیں ملے گا۔ ان کی مقدس کتابوں کا خلاصہ صرف یہ نظر آتا ہے کہ ——— مذہب کے طریقہ پر چلو تاکہ تم کو دنیا کی کامیابی حاصل ہو، قوم کو اقتدار ملے۔ یہود ایک معزز اور سربلند قوم بن جائیں۔

یہ صرف یہود کی خرابی نہیں۔ کتاب آسمانی کی حامل کسی قوم میں جب بگاڑ آتا ہے تو اس کی حالت یہی ہو جاتی ہے۔ اس کے افراد کی ذاتی زندگی اور اس کی جماعتوں کی عمومی سرگرمیاں دنیا کے رخ پر چل پڑتی ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ خدا اور رسول کا چرچا اس طرح جاری رہتا ہے گویا یہ سب کچھ صرف آخرت کے لئے کیا جا رہا ہے۔

ان کے دین کا بے حقیقت ہونا اس وقت بالکل واضح ہو جاتا ہے جب کہ ان کی اپنی ذات کی سطح پر ان کی دین داری کا تجربہ کیا جائے۔ وہ اگرچہ خدائی کتاب کے حوالے سے دوسروں کو نیکی کی نصیحت کر رہے ہوتے ہیں مگر ان کے افراد کی اپنی زندگیاں اس نیکی سے خالی ہوتی ہیں (بقرہ ۴۴)۔ ان کا ایک واعظ لوگوں سے کہے گا کہ خدا سے ڈرو۔ لیکن جب اس کا معاملہ کسی ایسے شخص سے پڑے گا جہاں خود اس کو خدا سے ڈرنا چاہئے تو وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسے کہ اس کا دل بالکل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔ اس کا ایک مقرر دوسروں کو اخلاق اور انسانیت کا سبق دے گا۔ لیکن اگر ایک شخص مقرر پر تنقید کر دے تو وہ فوراً بگڑ اٹھے گا اور اپنے ناقد کے خلاف ہر قسم کے غیر انسانی سلوک کو اپنے لئے جائز قرار دے لے گا۔ اس کا ایک مصلح دوسروں سے کہے گا کہ خدا کے دین کے لئے جیو اور خدا کے دین کے لئے مرو۔ لیکن اگر کسی سے اس کو ٹھیس پہنچ جائے تو وہ بپھر کر اس کے خلاف ایسے اقدامات کرے گا گویا کہ وہ شیطان کا ساتھی بنا ہوا ہے اور فرضی طور پر خدا کا درس دے رہا ہے۔ ان کا قائد مظلوم ملت کے مسائل حل کرنے کے لئے پرشور تقریریں کرے گا مگر مظلوم فرد کی دادرسی سے اس کو کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔

ہدایت پر صرف وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو ہدایت کی لگام دے رکھی ہے۔ جو دوسروں سے کوئی بات کہنے سے پہلے اپنا بے لاگ محاسبہ کر کے دیکھتا ہے کہ کیا وہ خود اس پر قائم ہے جس کی توجہ آخرت کی طرف ہے نہ کہ دنیا کی طرف۔

وہ ظالم تھا ، مگر کون ظالم نہیں

- لوگ کہتے ہیں کہ وہ ظالم تھا۔ مگر وہ کن لوگوں کے لئے ظالم تھا، ان لوگوں کے لئے جو اس کے سیاسی مخالف بن کر کھڑے ہوگئے تھے۔ اور کون ہے جو اپنے مخالفوں کے لئے ظالم نہیں۔
- اس نے لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ مگر اس نے کن لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا، ان لوگوں کے ساتھ جن سے اس کو دشمنی ہوگئی تھی۔ اور کون ہے جو اپنے دشمن کے ساتھ انصاف کرے۔
- اس نے حق کا اعلان کرنے والوں کا اعتراف نہ کیا۔ مگر اس نے کن لوگوں کا اعتراف نہ کیا، ان لوگوں کا جن کی حق گوئی سے اس کی اپنی ذات پر زد پڑتی تھی۔ اور کون ہے جو اس حق کا اعتراف کرے جس کی زد اس کی اپنی ذات پر پڑتی ہو۔
- اس نے لوگوں کو بے گھر کیا۔ مگر اس نے کن لوگوں کو بے گھر کیا، ان کو جو اس کی انا کو چیلنج کر رہے تھے۔ اور کون ہے جو اس کو بے گھر نہ کرے جو اس کی انا کے لئے چیلنج بن گیا ہو۔
- اس نے لوگوں کے فضل وکمال کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر اس نے کن لوگوں کے فضل وکمال کو تسلیم نہیں کیا، ان لوگوں کا جو اس کی قبائے عظمت کا تکمہ بننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور کون ہے جو اس کے فضل وکمال کو تسلیم کرے جو اس کی قبائے عظمت کا تکمہ نہ بن رہا ہو۔
- اس نے لوگوں کے روزگار چھینے۔ مگر اس نے کن لوگوں کے روزگار چھینے، ان لوگوں کے جو اس کے اوپر تنقید کرنے لگے تھے۔ اور کون ہے جو اس کا روزگار نہ چھینے جو اس کے اوپر تنقید کرتا ہو۔
- اس نے لوگوں کو ذلیل کیا۔ مگر اس نے کن لوگوں کو ذلیل کیا، ان لوگوں کو جو اس کی بڑائی کو ماننے سے انکار کرتے تھے۔ اور کون ہے جو اس کو ذلیل نہ کرے جو اس کی بڑائی کا انکار کرتا ہو۔
- اس نے لوگوں کے آشیانے اجاڑے۔ مگر اس نے کن لوگوں کے آشیانے اجاڑے، ان لوگوں کے جو اس کے ماتحت ہوتے ہوئے ماتحت بن کر نہیں رہتے تھے۔ اور کون ہے جو اپنے ان ماتحتوں کا آشیانہ نہ اجاڑے جو اس کے ساتھ سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوں
- اس نے لوگوں پر زندگی کے دروازے بند کئے۔ مگر اس نے کن لوگوں کے دروازے بند کئے، ان لوگوں کے جو اس کے خوشامدی بننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور کون ہے جو اس کے دروازے بند نہ کرے جو اس کا خوشامدی بننے کے لئے تیار نہ ہوتا ہو۔
- اس نے روشن گھروں کو بے نور کیا۔ مگر اس نے کن گھروں کو بے نور کیا، ان گھروں کو جو اس کی متکبرانہ نفسیات کی غذا نہیں بن رہے تھے۔ اور کون ہے جو اس کے روشن گھر کو بے نور نہ کرے جو اس کی متکبرانہ نفسیات کی غذا فراہم نہ کرتا ہو۔
- اس نے لوگوں کے اوپر جھوٹے الزامات لگائے۔ مگر اس نے کن لوگوں کے اوپر جھوٹے الزامات لگائے، ان کے اوپر جو اس کو ننگا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور کون ہے جو اس کے اوپر جھوٹا الزام نہ لگائے جس کا وجود اس کو ننگا کرنے کے ہم معنی بن گیا ہو۔

آج کی دنیا میں ہر ایک ظالم ہے۔ مگر ہر ایک دوسرے کو ظالم ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے۔

انسان کی سب سے بڑی کمزوری

ایک شخص کا کہنا تھا کہ دنیا میں صرف دکھ ہے۔ یہاں سکھ نام کی کوئی چیز نہیں۔ ایک روز وہ اپنی بیوی کے ساتھ ناشتہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ گفتگو کے دوران اس نے اپنا خیال دہرایا۔ اس کے ہاتھ میں مکھن لگا ہوا ڈبل روٹی کا ٹکڑا تھا۔ اس نے کہا دنیا میں دکھ اتنا زیادہ ہے کہ یہ ٹکڑا اگر میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرے تو وہ بھی مکھن کی طرف گرے گا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ تمھارا خیال صحیح نہیں۔ یہاں دکھ سکھ دونوں ہیں۔ ڈبل روٹی کا ٹکڑا اگر زمین پر گرے تو ادھر بھی گر سکتا ہے جدھر مکھن لگا ہوا ہے اور ادھر بھی جس طرف مکھن لگا ہوا نہیں ہے، بحث ہوتی رہی۔ آخر بیوی نے کہا کہ چلو تجربہ کر لو۔ ڈبل روٹی کا ٹکڑا زمین پر گرا کر پھر دیکھو کہ وہ دونوں رخوں میں سے کس رخ پر گرتا ہے۔ آدمی نے ٹکڑے کو فضا میں اچھالا۔ وہ زمین پر گرا تو اتفاقاً برعکس صورت حال پیش آئی۔ ٹکڑے کا مکھن لگا ہوا رُخ اوپر تھا۔ تجربہ نے عورت کی بات دو اور دو چار کی طرح ثابت کر دی تھی۔ مگر یہ چیز آدمی کو چپ نہ کر سکی۔ اس نے فوراً کہا: بات یہ ہے کہ میں نے غلط رخ پر مکھن لگا دیا تھا۔

یہ لطیفہ انسان کی نفسیات کو بہت خوبی کے ساتھ واضح کر رہا ہے۔ آدمی کسی بات کو اس وقت مانتا ہے جب کہ وہ خود بھی ماننا چاہے۔ اگر وہ ماننا نہ چاہے تو آپ کسی بھی طرح اس کو منوا نہیں سکتے۔ ہر دلیل کے توڑ کے لئے وہ کچھ نہ کچھ الفاظ تلاش کر لے گا۔ کوئی دلیل خواہ وہ کتنی ہی مضبوط ہو، آدمی کو چپ کرنے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔ مشین میں آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ بٹن دبا کر مطلوبہ نتیجہ حاصل کر لیں۔ مگر انسان اس قسم کی کوئی مشین نہیں ہے۔ یہاں نتیجہ تمام تر خود "مشین" کے اپنے ہاتھ میں ہے نہ کہ آپ کے ہاتھ میں۔ دلیل کو بٹن کا مقام نہیں دیا جا سکتا۔ اور بلاشبہ زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔

جب کوئی بات سامنے لائی جائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی خالص اصلیت کے اعتبار سے اس کو دیکھے۔ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اس پر غور کرے۔ ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد بات کا صحیح یا غلط ہونا ہو نہ کہ دوسرے اعتبارات۔ یہی طالب حق کا طریقہ ہے۔ مگر آج صورت حال یہ ہے کہ ہر آدمی نے اپنے ذہن کو کہیں نہ کہیں باندھ رکھا ہے۔ وہ کسی نہ کسی جگہ اپنے کو چھپائے ہوئے ہے۔ اس کے فیصلے اسی چھپی ہوئی وفاداریوں کے تحت ہوتے ہیں نہ کہ حقیقۃً بے لاگ جائزہ کے تحت۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو آدمی ایک قسم کے منفی ردعمل کا اظہار کرتا ہے، وہ ایجابی رویہ ظاہر نہیں کر پاتا۔ وہ بات کو اس کی اصلیت کے اعتبار سے دیکھنے کے بجائے اپنے تعصبات اور اپنی مصلحتوں کے تحت اس کو دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا ذہن یا تو تاویل کے رُخ پر چل پڑتا ہے یا تردید کے رخ پر۔ وہ تصدیق اور اعتراف کے رخ پر چلنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ جو بات آدمی کی پسند کے خلاف ہو، جس میں اس کی شخصیت چھوٹی ہو رہی ہو اس کو وہ سنجیدگی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ وہ اس کو غیر موافقانہ ذہن کے ساتھ سنتا ہے اور فوری تاثر کے تحت ایک رائے قائم کر کے اس کو رد کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایک بات کو غلط پا کر اس کو رد کیا ہے۔ حالاں کہ باعتبار حقیقت وہ اپنے ایک خود ساختہ تصور کو رد کر رہا ہوتا ہے نہ کہ مخاطب کی کہی ہوئی بات کو۔

اسلام کی نئی تاریخ بنانے کے لئے

قرآن کی دو سورتوں میں اعلان کیا گیا ہے کہ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ابدی طور پر غلبہ کی نسبت عطا فرمائی ہے :

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

(توبہ ۳۳، صف ۹)

اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہر دین سے اوپر کر دے خواہ شرک کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

اس آیت میں ہدایت کی تفسیر قرآن سے کی گئی ہے اور دین حق کی اسلام سے۔ اور اظہار سے مراد حجت و بیان کے اعتبار سے اس کو سب پر فائق کر دینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی صورت میں اللہ نے اپنا جو آخری دین اتارا ہے وہ کلی صداقت کا حامل ہے۔ اس کے لئے مقدر ہے کہ وہ ہر دوسرے دین کے مقابلہ میں بالا و برتر ثابت ہو، ہر دوسرا دین اس کے سامنے بے اصل ہو کر رہ جائے۔ اظہار اسلام سے مراد تقریباً اسی قسم کا ایک نظریاتی غلبہ ہے جو موجودہ زمانہ میں جمہوری طرز فکر کو بادشاہی طرز فکر پر، اجتماعی ملکیت کے نظریہ کو انفرادی ملکیت کے نظریہ پر، اور طبیعی علوم (سائنس) کو فلسفیانہ علوم پر حاصل ہوا ہے۔

قرآن کا یہ بیان دور اول میں مکمل طور پر واقعہ بن چکا ہے۔ اسلام کے ظہور نے دوسرے تمام مذاہب پر سایہ ڈال دیا۔ اس وقت جو ادیان رائج تھے ـــــ بت پرستی، پارسیت، یہودیت، عیسائیت، سب کے سب خود اپنے پیرووں کی نظر میں اس طرح بے وزن ہو گئے کہ ان کی بہت بڑی اکثریت اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئی۔ ایشیا اور افریقہ کے جن ممالک کو آج مسلم ممالک کہا جاتا ہے، وہ سب نزول قرآن کے وقت غیر مسلم قوموں کی آبادیاں تھیں۔ مگر اسلام کے برتر فکر نے ان کو اس طرح متاثر کیا کہ وہ اپنے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کے سایہ میں آ گئیں۔

اسلام کی یہ برتری موجودہ زمانہ میں واقعہ نہ بن سکی۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ اس کو برتر بنانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ ہماری تحریکیں زیادہ تر دوسروں سے سیاسی زور آزمائی میں مصروف رہیں۔ انھوں نے دوسروں کے اوپر اسلام کے فکری اظہار کی جدوجہد نہ کی۔ یہ جدوجہد اگر آج سے ہونے لگے تو آج ہی سے اسلام کی نئی تاریخ بننا شروع ہو جائے۔

ایک شخص نماز کے لئے مسجد روانہ ہوا۔ راستہ میں کسی سے اس کا ٹکراؤ ہو گیا۔ وہ اس سے لڑنے لگا، یہاں تک کہ جماعت کی نماز ختم ہو گئی۔ موجودہ زمانہ کے مسلم مصلحین کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ ان کو اسلام کی مثبت دعوت کے لئے اٹھنا تھا۔ مگر وہ بعض سیاسی شکایات سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں سے قلمی اور لسانی جنگ لڑنے میں مصروف ہو گئے۔ انھیں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے اسلام کی نئی تشریح کر کے سیاسی زور آزمائی ہی کو عین اسلام قرار دے دیا۔ اب ہر ایک سیاست کے کاروبار میں مشغول ہے۔ دین کے مثبت پیغام کو لے کر اٹھنے کی فرصت کسی کو نہیں۔

قربانی کیا ہے

قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ تم دو، تاکہ جو کچھ تمھارے باہر ہے وہ تم کو مل سکے۔ قربانی اس بات کا سبق ہے کہ اگر تم کچھ پانا چاہتے ہو تو کھونے کا حوصلہ پیدا کرو۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو موت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ قربانی ایک بے روح رسم نہیں، قربانی ایک زندہ حقیقت ہے جو زندگی سے اسی طرح گہرا تعلق رکھتی ہے جس طرح قدرت کے ابدی قوانین ہماری کائنات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ قربانی عمل کا خاتمہ نہیں، عمل کا آغاز ہے۔ کبھی ایک چھوٹی سی چیز بھی بڑی چیز ہوتی ہے، کیوں کہ وہ کسی بڑی چیز کی علامت ہوتی ہے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ قربانی کا ہے۔ یہ بظاہر ایک معمولی جانور کو خدا کے نام پر پیش کرنا ہے۔ مگر وہ ایک عظیم چیز ہے، کیوں کہ وہ ایک عظیم چیز کی علامت ہے نہ کہ محض ایک وقتی قسم کی بے روح اور بے معنی رسم۔ جانور کی قربانی آدمی کی طرف سے ایک عزم کی علامت ہے، یہ عزم کہ آدمی اپنا سب کچھ حتی کہ اپنی جان بھی اعلیٰ تر مقصد کے لئے قربان کرے گا۔

ایک چھوٹی چیز کس طرح ایک بڑی چیز کی علامت بن جاتی ہے، اس کی وضاحت کے لئے میں قریبی تاریخ کی ایک مثال دوں گا۔ نومبر ۱۹۶۲ کا واقعہ ہے۔ ہندستان کی مشرقی سرحد پر ایک بڑی فوجی طاقت کی جارحیت کی وجہ سے زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ سارے ملک میں سنسنی خیزی کی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت قوم کی طرف سے جو مظاہرے ہوئے اس میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ احمد آباد کے ۲۵ ہزار نوجوانوں نے مشترکہ طور پر یہ عزم کیا کہ وہ ملک کے بچاؤ کے لئے لڑیں گے اور ملک کے خلاف باہر کے حملہ کا مقابلہ کریں گے، خواہ اسی راہ میں ان کو اپنی جان دے دینی پڑے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد انھوں نے یہ کیا کہ ان میں سے ہر شخص نے اپنے پاس سے ایک ایک پیسہ دیا اور اس طرح ۲۵ ہزار پیسے جمع کئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے ان پیسوں کو اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی خدمت میں پیش کیا۔ پیسہ دیتے ہوئے انھوں نے ہندوستانی وزیر اعظم سے کہا کہ یہ ۲۵ ہزار پیسے ہم ۲۵ ہزار نوجوانوں کی طرف سے اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرنے (To give ourselves to you) کا نشان ہیں۔ ان نوجوانوں میں سے ہر ایک نے بظاہر صرف ایک پیسہ دیا تھا جس کی عام حالات میں کوئی قیمت نہیں۔ مگر ان کا پیسہ اس لئے انتہائی قیمتی ہو گیا کہ وہ ایک انتہائی بڑی حقیقت کی علامت تھا۔ ان کے ۲۵ ہزار پیسے ۲۵ ہزار زندگیوں کے نمائندہ تھے۔ پیسہ کی صورت میں گویا وہ خود اپنی زندگیاں اپنے ملک کے لئے دے رہے تھے۔ انھوں نے علامتی طور پر ایک پیسہ قربان کر کے درحقیقت اپنی زندگی کو قربان کرنے کا عزم کیا تھا۔ اسی طرح جانور کی قربانی بھی دراصل ایک عزم کی علامت ہے، اس عزم کی کہ آدمی اپنا سب کچھ حتی کہ اپنی جان بھی اعلیٰ تر خدائی مقصد کے لئے قربان کر دے گا۔

یہ دنیا خدا نے اس ڈھنگ پر بنائی ہے کہ یہاں جو اپنے کو مٹاتا ہے وہی اس دنیا سے اپنے لئے پاتا ہے۔ قربانی اسی خدائی قانون کو یاد دلانے کا ایک سالانہ عمل ہے جو ہماری روز مرہ کی زندگی میں شامل کر کے ہمیں دیا جاتا ہے۔ قربانی میں آدمی جانور کو خدا کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کے گوشت کو خود کھاتا ہے اور دوسروں کو کھلاتا ہے۔ خدا کے

دیے ہوئے رزق سے کھانا آدمی کی روزانہ کی ضرورت ہے۔ کوئی آدمی کھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی عام ضرورت کی چیز کو ایک روز خصوصی طور پر خدا کے نام پر قربان کرکے اس کو ایک اہم سبق دینے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ قربانی گویا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی وہ قیمت دینے کے لئے تیار ہے جو خدا کی اس زمین میں ایک حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسے دینا چاہئے۔

یہ قربانی دنیا کے عمومی نظام سے الگ کوئی چیز نہیں۔ وہ قدرت کا عالم گیر قانون ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ درخت کے ایک بیج کو کولڈ اسٹوریج میں محفوظ کر دیا جائے تو وہ ہمیشہ ایک بیج کی صورت میں پڑا رہے گا۔ مگر جب اس کو مٹی میں ڈال دیا جائے تو اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہوتا ہے۔ اب اس معمولی بیج کے اندر سے ایک ایسا درخت نکلتا ہے جو مزید بے شمار بیج پیدا کرتا ہے اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے ہرے بھرے وجود سے زمین کی رونق بن جاتا ہے۔ جس کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں جس سے طرح طرح کے مختلف فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ کولڈ اسٹوریج میں رکھے ہوئے بیج اور مٹی میں ڈالے ہوئے بیج کے انجام میں اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کو قربانی کہا جاتا ہے۔ مٹی کے بیج نے اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ اس لئے وہ ایک عظیم درخت بن کر زمین پر قائم ہو گیا۔ اس کے برعکس کولڈ اسٹوریج کے بیج نے اپنے کو فنا نہیں کیا۔ اس لئے وہ غیر اہم ہو کر رہ گیا ——— ایک بیج اپنے کو مٹاتا ہے تب وہ درخت بنتا ہے۔ درخت اپنے بہترین حاصل کو ٹوٹتا ہے تب وہ اپنی شاخ پر ایک پھول کھلانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ پھول اپنے حسین وجود کو فنا کرتا ہے۔ تب یہ ممکن ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے ایک قیمتی پھل نکلے۔ پھل اپنے وجود کو ختم کرنے پر راضی ہوتا ہے تب ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس انسان کا گوشت اور خون بنے جو زمین کو آباد کرے اور خلا کے فاصلوں کو ناپے۔

دنیا میں انسان کے لئے جن کامیابیوں کے امکانات رکھے گئے ہیں ان سب کا زینہ صرف ایک ہے اور وہ قربانی ہے۔ علم میں کمال پیدا کرنا، تجارت میں اعلیٰ مقام پر پہنچنا، سیاست میں اونچا عہدہ حاصل کرنا، اخلاق اور انسانیت کے اعتبار سے ترقی کے درجات طے کرنا، ایک خاندان یا ایک قوم کو اونچا اٹھانا، سب قربانی کی راہ سے حاصل ہوتا ہے اس دنیا کے بنانے والے نے اس کو اس ڈھنگ پر بنایا ہے کہ یہاں کسی قسم کی کوئی کامیابی قربانی کی حد تک کوشش کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ بڑے بڑے الفاظ بول کر یا محض ادھر اُدھر کی سرسری کارروائیاں کرکے کوئی بڑی ترقی حاصل کرلے تو یہ ایک ایسی خوش خیالی ہے جو خدا کی اس دنیا میں کبھی واقعہ نہیں بنتی۔

پھر ایک ایسی دنیا میں کیوں کر ممکن ہے کہ خدا قربانیوں کے بغیر کسی سے خوش ہو جائے۔ دنیا میں کسی چیز کو پانے یا نہ پانے کا ایک اصول مقرر کرکے گویا خدا نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ انسان کے لئے خدا کو پانے یا نہ پانے کا اصول کیا ہے۔ وہ صرف قربانی ہے۔ دنیا میں کسی چیز کو پانے کی جو شرط ہے وہی خدا کو پانے کی شرط بھی ہے۔ آدمی اگر اپنے رب کو خوش کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے رب کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنا پڑے گا۔ خدا اسی کو اپنا سب کچھ دیتا ہے جس نے خدا کو اپنا سب کچھ دے دیا ہو۔ قربانی کی قیمت دیے بغیر کسی کو خدا کے بنائے ہوئے اس نظام میں کچھ بھی نہیں مل سکتا۔

پھر جو اصول دنیا میں کامیابی کا ہے وہی اصول آخرت میں کامیابی کا بھی ہے۔ اور آخرت کی دنیا چونکہ موجودہ دنیا سے بہت زیادہ قیمتی ہے اس لئے آخرت کی خاطر جو قربانی مطلوب ہے وہ بھی بہت زیادہ بڑی قربانی ہے۔ اسلام کے نزدیک ہماری زندگی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس کا چھوٹا، بہت چھوٹا حصہ موجودہ دنیا میں ہے۔ اور اس کا بڑا، زیادہ بڑا، اور مستقل حصہ آخرت میں، جو مرنے کے بعد ہمارے سامنے آئے گا۔ اگلی دنیا کی کامیابی کا سارا دار و مدار بھی، موجودہ دنیا کی طرح، قربانی پر ہے۔ اگلی دنیا گویا بہترین چنے ہوئے انسانوں کی کالونی ہے۔ آج جو لوگ اپنے فکر و عمل میں بہترین انسان ثابت ہوں گے وہ اگلی دنیا میں جنت کی کالونیوں میں بسائے جائیں گے اور جو لوگ آج اعلیٰ انسانیت کا ثبوت نہ دے سکیں وہ جہنم کے پُر عذاب ماحول میں دھکیل دیے جائیں گے۔

اچھا انسان بننا کیا ہے۔ اچھا انسان بننا یہ ہے کہ آدمی خدائی سطح پر جینے لگے۔ وہ اپنے اندر خدائی اوصاف پیدا کرے۔ اس مقصد کے لئے آدمی کو شیطان سے لڑنا پڑتا ہے۔ اپنی پوری زندگی کو شیطان کے اثرات سے پاک کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک مسلسل قربانیوں کا راستہ ہے۔ وہی شخص خدا کی جنتی دنیا میں اپنے لئے جگہ پاتا ہے جو اس قربانی کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کر سکے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ آدمی تمام بے حقیقت خیالات کو اپنے ذہن سے نکالے اور صرف صحیح اور برحق خیالات کو اپنے ذہن میں جگہ دے خواہ یہ فکری آپریشن اس کے لئے اپنے محبوب تصورات کو ذبح کرنے کے ہم معنی کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ آدمی اپنے کردار کو حق کی بنیاد پر قائم کرے خواہ اس کی خاطر دنیوی فائدوں اور مصلحتوں کو کچلنا پڑے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ آدمی سچائی کے آگے جھک جائے خواہ اس کی قیمت میں اس کو بڑائی کی گدی سے محروم ہو جانا پڑے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ آدمی حقیقت پسندی اور اصول پرستی کو اپنی زندگی کا دستور بنائے خواہ اس کی وجہ سے وہ دنیا میں بے جگہ ہو جائے۔

ہر زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں کچھ طریقے رائج ہو جاتے ہیں۔ تعلقات کی کچھ بنیادیں قائم ہو جاتی ہیں۔ کچھ محبوب خیالات آدمی کے ذہن میں جگہ پا لیتے ہیں۔ انھیں چیزوں کے بل پر آدمی جی رہا ہوتا ہے۔ وہ خیال اور عمل کے ایک حلقہ سے اپنے کو جوڑ کر نازکر رہا ہوتا ہے کہ میں نے بہترین حلقہ کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر لی ہے۔ اب جب اس کے سامنے حق کی دعوت آتی ہے تو اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دعوت اس کی مصلحتوں پر ضرب لگا رہی ہے۔ اس کے تعلقات کو توڑنا چاہتی ہے۔ اس کے ان خیالات کو بے قیمت ثابت کر رہی ہے جن کے سہارے وہ اپنے لئے ایک حسین مستقبل کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ان وجوہ سے حق کی دعوت کو قبول کرنا اس کے لئے ایک عظیم قربانی کا عمل بن جاتا ہے۔ یہ اپنی پوری زندگی کو حق کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ مگر یہی وہ قربانی ہے جو آدمی کو خدا کی نظر میں محبوب بناتی ہے۔ یہی وہ قربانی ہے جس سے آدمی کے اوپر ابدی جنتوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اپنے وجود کی قربانی ہی جنت کی واحد قیمت ہے۔ اس قربانی کے بغیر کسی کو خدا کی جنت نہیں ملتی۔

نوٹ: یہ تقریر یکم نومبر ۱۹۷۹ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

مال دین اور دنیا کے لئے مددگار

بیہقی نے حضرت اسلم کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح سے کوئی سرکاری کام لیا اُس کے بعد ان کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس کردیا اور کہا: اے ابن خطاب! یہ کام میں نے تمھارے لئے نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کو اللہ کے لئے کیا تھا۔ اس لئے میں اس بارے میں کچھ نہ لوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کام پر بھیجا اور ہم کو عطیات دئے تو ہم کو اس کے لینے میں کراہت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم لوگوں کو لینا چاہئے:

فاقبلها ایها الرجل فاستعن بها علیٰ دینك ودنیاك — پس اے آدمی اس کو قبول کر اور اس کے ذریعہ سے اپنے دین اور اپنی دنیا میں مدد حاصل کر۔

اس کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کرلیا۔

قریب کے صدقہ میں زیادہ ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے محمدؐ کی امت اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس آدمی سے اللہ کوئی صدقہ قبول نہیں کرے گا جس کے ضرورت مند رشتہ دار ہوں اور وہ ان کو دینے کے بجائے دوسروں کو دے (یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم، طبرانی) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔

محنت کی کمائی مومن کے لئے زیادہ بہتر ہے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سوال کیا۔ آپؐ نے پوچھا: تمھارے گھر میں کچھ ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس ایک معمولی چادر ہے جس کو اوڑھتا ہوں۔ ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔ آپؐ نے اس سے پیالہ منگوایا۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس پیالہ کی قیمت لگاؤ۔ ایک شخص نے ایک درہم قیمت لگائی۔ دوسرے نے قیمت میں اضافہ کرکے دو درہم بتایا اور لے لیا۔ آپؐ نے یہ دونوں درہم انصاری کو دئے اور کہا: ایک درہم کا کھانا خرید کر اپنے گھر دے دو اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ وہ خرید کر لائے۔ آپ نے کلہاڑی میں اپنے ہاتھ سے دستہ ڈالا اور فرمایا:

اذهب فاحتطب ولا ادینك خمسة عشر یوما — جاؤ۔ جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاؤ اور بیچو۔ پندرہ دن تک میرے پاس نہ آنا

وہ انصاری اپنے کام میں لگ گئے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو فروخت کرتے۔ دو ہفتہ بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنی آمد و خرچ کا حساب پیش کیا۔ اس مدت میں اپنے اخراجات پورے کرنے کے بعد انھیں دس درہم بچے تھے۔ آپ خوش ہوئے اور فرمایا:

ھذا خیر لک من ان تجئی المسئلۃ نکتۃ فی وجھک یوم القیامۃ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

یہ تمھارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم سوال کرو اور وہ قیامت کے دن تمھارے چہرے پر ایک داغ کی صورت میں ظاہر ہو۔

فضول خرچی کسی بہتر خرچ کی قیمت پر ہوتی ہے

ما رأیت اسرافاً الا وبجانبہ حق مضیّع میں نے جب بھی کسی اسراف کو دیکھا تو میں نے پایا کہ اس کے پاس ایک حق کو ضائع کر دیا گیا تھا۔ یعنی جب بھی آدمی کسی غیر ضروری مد میں اپنا پیسہ برباد کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ کسی ضروری مد میں پیسہ نہ خرچ کیا گیا ہو۔

مال کے بجائے اللہ پر بھروسہ

سلمہ بن سعید اور عبد اللہ بن عمر رضہ سے روایت ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں عراق سے مال آیا۔ آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا مال تقسیم کر کے ختم کر دیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف رضہ کھڑے ہوئے اور کہا:

یا امیر المومنین لو ابقیت من ھذا المال لعدد ان حضر او نائبۃ ان نزلت (حلیۃ الاولیاء)

اے امیر المومنین! اس مال سے آپ کچھ روک لیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی دشمن سے مقابلہ پڑے یا کوئی ناگہانی مصیبت آجائے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

مالک، قاتلک اللہ، نطق بھا علیٰ لسانک شیطان واللہ لا اعصین اللہ الیوم لغد

تم کو کیا ہوا۔ اللہ تم کو قتل کرے۔ یہ بات شیطان نے تمھاری زبان سے کہلائی ہے۔ خدا کی قسم میں کل کے اندیشہ سے آج کے دن اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

تعمیر دنیا سے زیادہ فکر تعمیر آخرت کی

مدینہ میں ایک مسلمان نے اپنا گھر بنایا۔ وہ دیوار کے اوپر مٹی لیپ رہے تھے۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا: شیئا نطین (مٹی لگا رہے ہیں) آپ نے فرمایا: الامر اسرع من ذلک (فیصلہ کی گھڑی اس سے زیادہ قریب ہے)

شہادت سے بھی قرض معاف نہیں ہوتا

ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان تمام اعمال میں سب سے افضل ہیں۔ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا، اے اللہ کے رسول آپ کیا فرماتے ہیں۔ اگر میں اللہ کے راستہ میں مارا جاؤں تو میری خطائیں مجھ سے دور ہو جائیں گی۔ آپ نے فرمایا: ہاں اگر تم اللہ کے راستہ میں مارے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو، تمھاری نیت رضائے الٰہی کو پانا ہو، تم آگے بڑھنے والے ہو، پیچھے مڑنے والے نہ ہو۔ پھر کچھ دیر میں آپ نے فرمایا "تم نے کیا کہا تھا"۔ انھوں نے کہا: آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں اللہ کے راستہ میں مارا جاؤں تو میری خطائیں مجھ سے دور ہو جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: "ہاں اگر تم صبر کرنے والے ہو، تمھاری نیت رضائے الٰہی کو پانا ہو، تم آگے بڑھنے والے ہو پیچھے مڑنے والے نہ ہو۔ الا یہ کہ تمھارے اوپر قرض ہو۔ کیوں کہ جبریل نے مجھ کو اسی طرح بتایا ہے۔ (مسلم)

انفاق اپنے آپ کو آگ سے چھڑانے کے لئے

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ کیوں نہ ہو اور جو یہ بھی نہ پائے تو ایک پاکیزہ بات کے ذریعہ

مسلمان کے لئے ایک مسلمان درہم و دینار سے زیادہ محبوب ہوتا ہے

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

اتی علینا زمان وما یری احد منا انہ احق بالدینار والدرھم من اخیہ المسلم۔ وانا فی زمان الدینار والدرھم احب الینا من اخینا المسلم	ہمارے اوپر ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص نہ تھا جو اپنے بھائی کے مقابلہ میں اپنے آپ کو درہم و دینار کا زیادہ مستحق سمجھتا ہو۔ اور اب میں ایسے زمانہ میں ہوں کہ درہم و دینار ہمارے لئے اپنے بھائی سے زیادہ محبوب بن گئے ہیں۔

اس وقت انفاق جب کہ اسلام بے کسی کی حالت میں ہو

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوبکر رضہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ انھوں نے یہ پورا کا پورا مال اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر رضہ کے مال نے پہنچایا (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین)

زیادتی کی حالت میں بھی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنا

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضہ کے پاس سے گزرے، وہ بڑے برتن میں پانی لے کر بے تکلفی کے ساتھ وضو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ما ھذا السرف یا سعد (اے سعد! یہ کیا فضول خرچی ہے) حضرت سعد رضہ نے کہا: کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

نعم وان کنت علی نھر جار (احمد)	ہاں۔ خواہ تم بہتے دریا کے کنارے کیوں نہ ہو

حقوق کی ادائگی میں عجلت

عبداللہ بن عمر رضہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (ابن ماجہ)	مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ سوکھنے سے پہلے دو

نصیحت مال سے زیادہ قیمتی ہے

عن ابی عمیر الطوری ابان ابن سلیم قال: کلمۃ حکمۃ لک من اخیک خیر لک من مال یعطیک لان المال یطغیک والکلمۃ تھدیک (جامع بیان العلم، جزء اول، صفحہ ۵۳) تمھارا بھائی تم کو حکمت کا ایک کلمہ دے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ تم کو مال دے۔ کیوں کہ مال تم کو سرکش بناتا ہے اور حکمت کی بات تم کو راہ دکھاتی ہے۔

پیشہ کی بنیاد پر کسی کو حقیر سمجھنا جہالت ہے

غزوۂ بدر میں مشرکین کی فوج کی سرداری ابوجہل کے ہاتھ میں تھی۔ انصار کے دو نوجوان معوذ بن عفراء اور معاذ بن عفراء نے باہم طے کیا کہ وہ ابوجہل کو قتل کریں گے۔ دونوں بھائی مشرکین کی صفوں میں گھس گئے اور اپنی جان پر کھیل کر ابوجہل کو قتل کر ڈالا۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ آخر وقت میں جب کہ ابوجہل کو معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنے والے مدینہ کے باشندے ہیں تو ابوجہل نے کہا:

لو غیر اکار قتلنی (بخاری و مسلم) کاشتکار کے علاوہ کسی اور نے کاش مجھ کو قتل کیا ہوتا

مدینہ کے لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر کاشتکاری تھا۔ ابوجہل نے کاشتکاری کرنے والوں کو حقیر سمجھا۔

دولت اور اقتدار سے بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس قادسیہ کا مال غنیمت آیا وہ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کیوں رو رہے ہیں۔ اللہ نے آپ کو فتح دی۔ آپ کو آپ کے دشمنوں پر غالب کیا۔ ان کے اموال آپ کے قبضہ میں دے کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ عمرؓ نے فرمایا:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا تفتح الدنیا علی احد الا القی اللہ عز وجل بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ، وانا اشفق من ذلک (احمد، بیہقی، بزار)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب بھی کسی کے اوپر دنیا کھولی جاتی ہے تو اللہ قیامت تک کے لئے ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیتا ہے۔ اور میں اسی سے ڈر رہا ہوں۔

خوش حالی زیادہ سخت آزمائش ہے

ابویعلی اور بزار نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لانا لفقتۃ السراء اخوف علیکم من فتنۃ الضراء انکم ابتلیتم لفقتۃ الضراء فصبرتم وان الدنیا حلوۃ خضرۃ

میں تمہارے بارے میں خوش حالی کے فتنہ سے زیادہ ڈرتا ہوں بہ نسبت تنگ حالی کے فتنہ کے۔ تم تنگ دستی کے فتنہ میں مبتلا کئے گئے اور تم نے صبر کیا۔ مگر دنیا بڑی شیریں اور سرسبز ہے۔

طبرانی نے عوف بن مالک کے واسطہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

تصب علیکم الدنیا صبا حتی لا یزیغکم بعد ان زغتم الا ھی

دنیا تمہارے اوپر بہہ پڑے گی۔ یہاں تک کہ میرے بعد تمہارے اندر کبھی آئی تو دنیا کے سوا کسی اور سبب سے نہیں آئے گی۔

تین چیزیں ہر مسلمان پر حرام ہیں

کل المسلم علی المسلم حرام عرضہ ومالہ ودمہ (حدیث) مسلمان پر مسلمان کی آبرو اس کا مال اور اس کا خون حرام ہے

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ یک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت —— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کر کے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت —— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

حقیقت کی تلاش

از مولانا وحیدالدین خاں
صفحات ۶۰۔ قیمت ایک روپیہ

دین کی سیاسی تعبیر

(تعبیر کی غلطی کا خلاصہ)
از مولانا وحیدالدین خاں
صفحات ۷۰ قیمت -/۲

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

قرآن شریف اور تمام تبلیغی و درسی کتب اور مولانا وحیدالدین خاں صاحب کی تمام مطبوعہ کتب ہر وقت مل سکتی ہیں۔ الرسالہ، الفرقان، تعمیر حیات، ندائے ملت، نقیب، رضوان ملنے کا پتہ:
رفیق احمد، مکتبہ عزیزیہ، نورانی مسجد، مالیگاؤں ناسک

اسلام کا تعارف

از مولانا وحیدالدین خاں
صفحات ۲۴، قیمت ۵۰/.

اسلام

ایک عظیم جدوجہد
از مولانا وحیدالدین خاں
صفحات ۸۰ قیمت ۲/۰۰

مکتبہ الرسالہ
جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

سوشلزم

ایک غیر اسلامی نظریہ
از مولانا وحیدالدین خاں
صفحات ۷۲، قیمت ۲/۰۰

مارکسزم

تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
از مولانا وحیدالدین خاں
صفحات ۱۴۸ قیمت ۳/۰۰

مکتبہ الرسالہ
جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

چند معیاری مطبوعات

	ہدیہ
تدبر قرآن (جلد اول) مفسر امین احسن اصلاحی ۔ اردو، فوٹو آفسٹ	۳۲-۰۰
دی میننگ آف گلوریس قرآن مترجم مارماڈیوک پکتھال انگریزی فوٹو آفسٹ پیپر بیک	۱۱-۰۰
دی میننگ آف گلوریس قرآن مترجم مارماڈیوک پکتھال انگریزی عربی فوٹو آفسٹ	۲۲-۰۰
نماز احکام الصلوٰۃ، خوش نما ٹائیٹل، فوٹو آفسٹ	۵-۰۰
نماز مترجم (مع ضروری مسائل) فوٹو آفسٹ	۱-۵۰
قرآن معری عکسی نمبر ۳، جدید ترین کتابت، بمعہ پلاسٹک کور	۱۹-۰۰
قرآن مجید، حوالہ نمبر ۵۳، معری عکسی، ریگزین بائنڈنگ	۱۲-۰۰
حمائل شریف، حوالہ نمبر ۲۳، بمعہ پلاسٹک کور	۱۳-۰۰
اعمال قرآنی، معری عکسی ریگزین بائنڈنگ	۵-۰۰
قاعدے اور سپارے	
کرامات صحابہ، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۴-۰۰
نشر الطیب فی ذکر النبی الطیب، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۹-۰۰
مجموعۂ درود شریف، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۱-۵۰
آداب زندگی، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۴-۵۰
نسخۂ کیمیا، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۷-۵۰
قرآنی نصیحتیں (انگریزی) خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۶-۰۰

مکتبہ الرسالہ ۔ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان ۔ دھلی ۶

عربی مطبوعات

مولانا وحیدالدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں :

۱- الإسلام يتحدى	۲۶۳ صفحات	قیمت ۲۰ روپے
۲- الدين في مواجهة العلم	۱۱۲ صفحات	۱۰ روپے
۳- حكمة الدين	۸۷ صفحات	۸ روپے
۴- الإسلام والعصر الحديث	۷۷ صفحات	۸ روپے
۵- مسئوليات الدعوة	۳۹ صفحات	۲ روپے
۶- نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية	۲۶ صفحات	۲ روپے
۷- إمكانات جديدة للدعوة	۳۴ صفحات	۲ روپے
۸- الشريعة الإسلامية وتحديات العصر	۳۲ صفحات	۲ روپے
۹- المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل	۷۲ صفحات	۵ روپے
۱۰- نحو بعث إسلامي	۳۲ صفحات	۵۰ پیسے

پایوریَن

موتی کی طرح آبدار اور
چمکدار دانت، گلاب کی نازک
پنکھڑیوں (لبوں) کے درمیان
فطرت کا حسین شاہکار معلوم
ہوتے ہیں، مگر ان آبدار موتیوں میں کیڑے پڑنے لگیں اور ان
میں خرابی پیدا ہو جائے تو چہرے کی ساری دلکشی ختم ہو جاتی ہے۔
پایوریَن کے استعمال سے منہ کی بدبو، دانتوں کا میلاپن
اور درد، مسوڑھوں کی سوجن ختم ہو جاتی ہے۔
پایوریَن دانتوں اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا
اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

پندرہ روزہ
ترجمان
کتاب وسنت کا داعی ونقیب
زرتعاون سالانہ بارہ روپے

دفتر اخبار ترجمان
پوسٹ بکس نمبر 1306
دہلی — ۶

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

- **دین کیا ہے**
  صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
- **تجدید دین**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **مذہب اور جدید چیلنج**
  صفحات ۲۴۰ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
- **تعمیر ملت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **الاسلام**
  صفحات ۱۶۰ قیمت ۱۲/- روپے
- **اسلام دین فطرت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **ظہور اسلام**
  صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
- **زلزلۂ قیامت**
  صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے
- **اسلامی دعوت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **تاریخ کا سبق**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **عقلیات اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **قرآن کا مطلوب انسان**
  صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵ روپے
- **مذہب اور سائنس**
  صفحات ۷۲ قیمت ۴/- روپے
- **پیغمبر اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **سبق آموز واقعات**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا